CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند

پرکاش چندر گپت

ہندستانی
ادب
کے
معمار

5781

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہندوستانی ادب کے معمار

پریم چند

پرکاش چندر گپت

مترجم

ل۔ احمد اکبرآبادی

ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

PREM CHAND : Translation into Urdu by L. M. Ahmed 'Akbarabadi' of Prakash Chandra Gupta's English monograph. Sahitya Akademi, New Delhi (1976), Price Rs. 2.50.

State Museum, Library, Lko.
State Museum, Library, Lko.
5781

پہلی بار

قیمت:- دو روپے پچاس پیسے

ساہتیہ اکادیمی رابندر بھون، نئی دہلی نے جے کے پرنٹرس
میں طبع کروا کے شائع کیا

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بہ شُکریہ!

اس زندگی کو لکھنے میں مجھے جناب امرت رائے کی کتاب 'قلم کا سپاہی'، جناب مدن گوپال کی کتاب 'قلم کا مزدور' اور شریمتی شو رانی پریم چند، کی کتاب 'پریم چند گھر میں' سے پریم چند کی زندگی، ان کی شخصیت اور کام کے متعلق بہت قیمتی سامان کی مدد ملی ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند کا زمانہ ۱۸۸۰ء سے شروع ہوکر ۱۹۳۶ء میں ختم ہوتا ہے۔ یہ زمانہ نہایت اہم زمانہ تھا۔ اسی زمانے میں ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد نے طاقت پکڑی اور اس کی رفتار تیز سے تیز تر ہوگئی۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کی سرگرمیوں کا آغاز تو اعتدال پسندوں کے ہاتھوں سے ہوا، مگر وہ رفتہ رفتہ گاندھی جی کے زیر اثر آگئی۔ اس صدی کے تیسرے دہے میں گاندھی جی کو انتہا پسند باور کرلیا گیا تھا۔ گاندھی جی برطانیہ کے تسلط کے خلاف عوامی جدوجہد شروع کرنا چاہتے تھے۔ اس کے معنے یہ تھے کہ آرام کرسی کی زندگی چھوڑ کر جیل کی صعوبتیں اور مصائب برداشت کئے جائیں۔ ۱۹۳۶ء آنے تک جب پریم چند کا انتقال ہوا، گاندھی جی کے سیاسی خیالات نرم اور معتدل نظر آنے لگے تھے۔ ان کے مقابلے میں بعض اور انتہا پسند حضرات جو سیاسی اور اقتصادی آزادی کے معنے سوشلزم لیتے تھے، میدان میں آدھمکے تھے۔ انھیں میں نہرو اور بائیں بازو کے کئی گروہ اور پارٹیاں شامل تھیں۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند نے زندگی بھر اس پختہ تر ہوتی ہوئی قومی جدو جہد کے ساتھ قدم بقدم چلنے کی کوشش کی۔ جب گوکھلے جیسے اعتدال پسند کانگریس پر چھائے ہوئے تھے، اس وقت پریم چند کا گاندھی رنگ کے انتہا پسندوں میں شمار تھا۔ بعد میں کسانوں اور مزدوروں کی اقتصادی آزادی سے متعلق ان کے خیالات میں شدّت آگئی۔ ان آخری ایام میں وہ گاندھی جی کی بہ نسبت نہرو کے زیادہ قریب تھے۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد ہندستان نئے زمانے کی روشنی میں نظر آنے لگا تھا۔ مگر یہ عمل سست رفتار اور پُر آزار تھا۔ پچھڑے پن اور زمانۂ وسطیٰ کی رجعتی قوتیں اسے پیچھے کی طرف کھینچ رہی تھیں، ریلوے، تار برقی، نلوں کے ذریعے آب رسانی، نئی قسم کے اسکول، مغربی سائنس و دیگر علوم ہندستان کو ایک نئی فکر و نظر دے رہے تھے۔ موضلات میں جاگیر دارانہ رشتے اور تعلقات اور شہروں میں ذات پات، چھوت چھات اور فرقہ واریت ترقی کی راہ میں سخت رکاوٹیں تھیں۔ پریم چند کے ادب میں ہندستان کے ان متنوع مناظر اور متضاد اثرات اور مسائل کی تصویریں دکھائی گئی ہیں۔

پریم چند مغربی طریقوں اور اداروں کی اندھی تقلید کے سخت مخالف تھے۔ وہ ماتر بھومی کے سچّے سپوت تھے۔ ان کے قدم ارضِ ہند میں گڑے تھے۔ ہمارے ادب میں ہندستانی کسان کو متعارف کرانے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

والے وہ بہترین ادیب تھے۔ ان کی ذات میں سنجیدہ اور گھریلو وصف شامل ہو گئے تھے۔ اور انھیں مغربی تعلیم پائے ہوئے نک چڑھے ہندستانیوں سے بعد المشرقین تھا۔

کہا جا سکتا ہے کہ پریم چند نے ٹیگور کی ادبی روایات کو سوشلزم کا رخ دے کر آگے بڑھایا۔ اس کے اندر انھوں نے انتہا پسندانہ عناصر شامل کیے جو عصری حقیقت پسندی کا شدید تقاضا تھا۔ ٹیگور کے بالمقابل پریم چند زیادہ ارضی مخلوق نظر آتے ہیں۔ ہندستان کے ماضی کے ثقافتی ورثے میں ٹیگور کو جو بصیرت حاصل تھی، پریم چند اس سے محروم تھے لیکن جدید سائنسی اور ترقی پسندانہ عالمگیر خیالات سے پریم چند زیادہ قریب تھے۔ ہندستانی ثقافت یا کلچر میں مسلمانوں نے جو اضافے کئے ان کے بارے میں بھی پریم چند کا رویہ دیانتداری سے لشدرت سیکولر ہو گیا تھا۔

پریم چند ہندستان میں تیز رفتاری سے بڑھتے ہوئے صنعتی دیو کے بھی خلاف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ فیکٹریوں کی روز افزوں ترقی کسان کو اس کی آراضی سے محروم کر دے گی، اس سے عام مزدوروں پر جبر و ظلم کا دروازہ کھل جائیگا، اور یہ زندگی کی ثقافت اور کلچر کا معیار پست کر دینے کا سبب اور سماج مخالف عناصر کو تقویت پہنچانے کا حیلہ بن جائیگی۔ پریم چند کے یہ اندیشے ان کے طویل ناول "رنگ بھومی" میں پوری قوت سے ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ اس بات کا تصور نہیں کر سکتے تھے کہ مشینوں کی مدد سے انسان کی مشقت دور

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہو جاتی ہے اور صنعت کاری کو اصلاً جو چیز زہر ہلاہل بنا دیتی ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام ہے۔

پریم چند کا ادب وطن پرستانہ جذبات سے مالا مال ہے۔ ان کے ادب کے پسِ منظر میں ہمیں رام موہن رائے، وویکا نند، دیانند گاندھی، ٹیگور، نہرو، بھگت سنگھ اور چندر شیکھر آزاد کی گونج مسلسل سنائی دیتی ہے۔ [اور انسانی آزادی اور نجات کے لئے مغربی ملکوں کے مجاہدوں مثلاً میزینی، گیری بالڈی، کارل مارکس اور لینن وغیرہ کی آوازوں کی]۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند کی ولادت ۳۱ جولائی ۱۸۸۰ء کو لمہی گاؤں میں ہوئی، جو بنارس سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ ایک غریب سفید پوش کایستھ خاندان میں پیدا ہوئے جن کے پاس ایک بڑے کنبے کی گذر بسر کے لیے صرف چھ بیگھہ زمین تھی۔ پریم چند کے دادا گرو سہائے لال پٹواری تھے۔ ان کے والد عجائب لال ڈاکخانے میں کلرک تھے۔ جہاں وہ پچیس روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ ان کی والدہ کا نام آنندی دیوی تھا۔ وہ خوبصورت اور اچھے مزاج کی تربیت یافتہ دیوی تھیں، اور "بڑے گھر کی بیٹی" کی یاد دلاتی ہیں۔ یاد رہے کہ اس افسانے کی ہیروئن کا نام بھی آنندی ہے۔

پریم چند کا بچپن گاؤں ہی میں گذرا۔ وہ ایک کھلنڈرے اور چنچل لڑکے تھے، کھیل کود کے بڑے شوقین تھے، وہ کھیتوں میں سے چیزیں تک چرا لانے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ انھیں میٹھا کھانے کی لت تھی۔ خاص طور پر گڑ کی۔ ان کی ابتدائی تعلیم بھی گاؤں ہی میں ہوئی، جہاں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ایک مولوی صاحب سے انھوں نے کچھ اردو فارسی پڑھی۔ کہا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک روپیہ چرا لینے پر ان کی بڑی سخت سرزنش کی گئی تھی۔ ان کی کہانی 'قزاقی' ان کے بچپن کی یادوں ہی پر مبنی ہے۔ قزاقی ڈاک کا ہرکارہ تھا۔ اور اسے دور دور کے سفر پر جانا پڑتا تھا۔ وہ اپنے ہر چکر سے پریم چند کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ضرور لاتا۔ ایک بار وہ پریم چند کے لیے ہرن کا بچّہ لایا، جس کے پکڑنے اور پیچھا کرنے کے باعث اسے ڈاک خانے پہنچنے میں بہت دیر ہو گئی۔ اس پر اسے اپنے فرض سے غفلت کرنے کے جرم میں برطرف کر دیا گیا۔ قزاقی ایک سیدھا سادہ انسان ہے، پروقار اور خوددار، جو ساتھ ہی جذبۂ ترحم سے بھی مالامال ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے 'پریم چند' کا قلمی نام لکھنا شروع کرنے کے کئی سال بعد اختیار کیا۔ ان کا اصلی نام دھنپت رائے تھا۔ جب سرکاری نوکری کے دوران... انھوں نے مختصر افسانے لکھنا شروع کیے، تو ان میں 'نواب رائے' کا قلمی نام استعمال کیا۔ کئی اصحاب انھیں عمر بھر "نواب" ہی لکھتے رہے۔ مگر جب حکومت نے ان کی کہانیوں کا مجموعہ "سوزِ وطن" ضبط کر لیا، تو انھوں نے نواب رائے نام ترک کر دیا۔ اس کے بعد ان کی تمام تحریریں پریم چند کے قلمی نام سے شائع ہوئیں۔

ان کے لڑکپن کی تصویر ان کی کہانی 'چوری' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ لکھتے ہیں:

ہائے بچپن، تیری یاد نہیں بھولتی! وہ کچّا ٹوٹا گھر،

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

وہ پوال کا بستر، وہ برہنہ جسم، برہنہ پا کھیتوں میں گھومنا، آم کے درختوں پر چڑھنا، ساری باتیں نگاہوں میں پھر رہی ہیں۔ کھیتھے جوتے پہن کر اس وقت جتنی خوشی ہوتی تھی، اب فلیکس کے جوتوں سے بھی نہیں ہوتی۔ گرم تپیلے رس میں جو لذّت تھی، وہ اب گلاب کے شربت میں بھی نہیں۔ چربن اور کچے بیروں میں جو ذائقہ تھا، وہ اب شیر برنج اور کھیر میں بھی نہیں ملتا۔

میں اپنے چچا زاد بھائی ہلدہر کے ساتھ دوسرے گاؤں میں ایک مولوی صاحب کے یہاں پڑھنے جایا کرتا تھا۔ میری عمر آٹھ سال کی ہوگی۔ ہلدہر (وہ اب بہشت میں ہے) مجھ سے دو سال بڑے تھے۔ ہم دونوں علی الصّباح باسی روٹیاں کھا کر دوپہر کے لیے مٹر اور جو کا چربن لے کر جاتے۔ کوئی حاضری کا رجسٹر تو تھا نہیں، اور نہ غیر حاضری کا جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ پھر خوف کس بات کا! کبھی تو تھانہ کے سامنے کھڑے سپاہیوں کی قواعد دیکھتے، کبھی کسی ریچھ یا بندر نچانے والے مداری کے پیچھے پیچھے گھومنے میں دن گزار دیتے۔ کبھی ریلوے اسٹیشن کی طرف جاتے اور گاڑی کی بہار دیکھتے۔ گاڑیوں کے وقت کا جتنا علم ہم کو تھا، اتنا شاید ٹائم ٹیبل کو بھی نہ تھا۔ راستے میں شہر کے ایک مہاجن

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

نے ایک باغ لگوانا شروع کیا تھا۔ وہاں ایک کنواں کھد رہا تھا۔ وہ بھی ہمارے لئے ایک دلچسپ تماشا تھا۔ بڈھا مالی ہمیں اپنی جھونپڑی میں بڑی محبّت سے بٹھاتا تھا۔ ہم اس سے جھگڑ جھگڑ کر اس کا کام کرتے۔ کہیں بالٹی لیے پودوں کو سینچ رہے ہیں۔ کہیں کھرپی سے کیارا گوڑ رہے ہیں۔ کہیں مقراض سے بیلوں کی پتیاں چھانٹ رہے ہیں۔ ان کاموں میں کتنا لطف تھا۔ مالی بچّوں کی فطرت کا عالم تھا۔ ہم سے کام لیتا، مگر اس طرح کہ گویا ہم پر کوئی احسان کر رہا ہے۔ جتنا کام وہ دن بھر کرتا، اسے ہم گھنٹہ بھر میں ختم کر دیتے۔

کبھی کبھی ہم ہفتوں غیر حاضر رہتے۔ مگر مولوی صاحب سے ایسا بہانہ کر دیتے کہ ان کی چڑھی ہوئی تیوریاں اتر جاتیں۔ اتنی تخیلی قوت آج ہوتی، تو ایسا ناول لکھ مارتا کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔ اب تو یہ حال ہے کہ بہت سر کھپانے کے بعد کوئی کہانی سوجھتی ہے۔ خیر، ہمارے مولوی صاحب درزی تھے۔ مولوی گیری صرف شوقیہ کرتے تھے۔ ہم دونوں بھائی اپنے گاؤں کے کرمی کہاروں سے ان کی خوب تعریف کرتے، یا کہیے کہ ہم لوگ مولوی صاحب کے سفری ایجنٹ تھے۔ ہماری کوشش سے مولوی صاحب کو جب کچھ کام مل جاتا تو ہم خوشی سے پھولے نہ سماتے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

جس روز کوئی اچھا بہانہ نہ سوجھتا، اس روز مولوی صاحب کے لئے کوئی نہ کوئی سوغات لے جاتے۔ کبھی سیر آدھ سیر پھلیاں توڑ لیں تو کبھی دس پانچ گنے، کبھی جو یا گیہوں کی ہری ہری بالیں لے لیں۔ ان تحفہ جات کو دیکھتے ہی مولوی صاحب کا غصّہ فرو ہو جاتا۔ جب ان چیزوں کی فصل نہ ہوتی، تو ہم سزا سے بچنے کی کوئی اور ہی تدبیر سوچتے۔"

بچپن کے زمانے میں پریم چند کے دل پسند کھیلوں میں گلّی ڈنڈا اور پتنگ بازی تھے۔ گلّی ڈنڈا سے ان کے شغف کا مظاہرہ ان کے ایک افسانے میں ملتا ہے، جو ان کے بہترین افسانوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

" نہ لان (میدان) کی ضرورت ہے، نہ کورٹ کی۔ نہ نیٹ کی، نہ بلّے کی۔ مزے سے کسی درخت کی ایک شاخ کاٹ لی، گلّی بنائی اور دو آدمی بھی آ گئے تو کھیل شروع ہو گیا۔ ... بچپن کی یادوں میں گلّی ڈنڈا ہی سب سے شیریں یاد ہے۔"

"چوری" میں وہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح انھوں نے اپنے چچیرے بھائی کے ساتھ مل کر گھر سے ایک روپیہ چرایا تھا۔

" منہ ہاتھ دھو کر ہم گھر گئے۔ اور ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا۔ کہیں اس وقت ہماری تلاشی کی نوبت آئی تو پھر ایشور ہی مالک ہے۔ مگر سب لوگ اپنا اپنا کام کرانے میں مصروف

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کوئی ہم سے نہ بولا۔ ہم نے ناشتہ بھی نہ کیا، چربن بھی نہ لیا۔ کتاب بغل میں دبائی اور مکتب کو روانہ ہو گئے۔

برسات کے دن تھے، آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، ہم دونوں خوشی خوشی مکتب کو چلے جا رہے تھے۔ آج کونسل کی منسٹری پاکر شاید اتنی خوشی نہ ہو۔ ہزاروں منصوبے باندھتے تھے، ہزاروں ہوائی قلعے تعمیر کرتے تھے۔ ایسا موقع بڑی خوش قسمتی سے نصیب ہوا تھا۔ زندگی میں پھر شاید ہی ایسا موقع نصیب ہو۔ بس! روپیہ کو اس طرح صرف کرنا چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ دنوں تک چل سکے۔ اگرچہ ان دنوں پانچ آنہ سیر بہت عمدہ مٹھائی ملتی تھی۔ اور شاید آدھ سیر مٹھائی میں ہم دونوں آسودہ ہو جاتے۔ مگر یہ خیال ہوا کہ مٹھائی کھائیں گے تو روپیہ آج ہی غائب ہو جاویگا۔ کوئی سستی چیز کھانی چاہیے کہ مزا بھی آئے، پیٹ بھی بھرے اور پیسے بھی کم خرچ ہوں۔ آخر امرود ول پر ہماری نظر پڑی۔ دونوں راضی ہو گئے۔ سستا وقت تھا۔ دو پیسے کے امرود لیے، بڑے بڑے بارہ امرود ملے، ہم دونوں کے کرتوں کے دامن بھر گئے۔ جب ہلدہر نے کنجڑن کے ہاتھ پر روپیہ رکھا تو اس نے شبہہ سے دیکھ کر پوچھا۔ روپیہ کہاں پایا۔؟ چرا تو نہیں لائے۔؟" ہمارے پاس جواب تیار

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

تھا۔ ہم زیادہ نہیں، تو دو تین کتابیں تو پڑھ ہی چکے تھے۔ علم کا کچھ کچھ اثر ہو چلا تھا۔ میں نے فوراً کہا: "مولوی صاحب کی تنخواہ دینی ہے۔ گھر میں پیسے نہیں تھے تو چچا صاحب نے روپیہ دے دیا۔"

پریم چند کی گڑ کھانے کی لت کا ذکر ایک اور کہانی میں ہوا ہے۔ کہتے ہیں:

"ماتا جی تین مہینے کے لیے اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ اس عرصے میں میں ایک من گڑ کھا گیا۔ یہ کھانڈ بنانے کا موسم تھا۔ نانا بیمار تھے، انھوں نے ماتا جی کو بلوا بھیجا تھا۔ میرے امتحان ہونے والے تھے، اس لیے میں ان کے ساتھ نہیں جا سکا تھا۔ ... روانہ ہونے سے پہلے ماتا جی نے ایک من گڑ ایک مٹکے میں بھرا اور اوپر سے مٹی تھوپ دی۔ انھوں نے مجھے سخت تاکید کی کہ اسے ہرگز نہ کھولوں۔ میرے کھانے کے لیے انھوں نے تھوڑا سا گڑ ایک بالٹی میں الگ رکھ دیا۔ یہ میں نے ایک ہی ہفتے میں ختم کر ڈالا تھا۔ میں صبح کو دودھ میں گڑ ڈالتا، دوپہر کو روٹی بھی گڑ کے ساتھ کھاتا، تیسرے پہر بھنے چنوں کے ساتھ بھی گڑ کھاتا، اور رات کے دودھ میں بھی گڑ ڈالتا۔ یہ گڑ کھانا تو جائز کھانے میں داخل تھا، ماتا جی بھی اس سے منع نہیں کر سکتی تھیں۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

لیکن میں پانی پینے کے بہانے بار بار اسکول سے گھر آتا اور ہر دفعہ دو ایک ڈلی گڑ کھا لیتا تھا۔ یہ گڑ کھانا بجٹ میں شامل نہیں تھا۔ مجھے گڑ کھانے کا شوق نہیں، ہوکا تھا۔"

پریم چند کی والدہ چھ مہینے کی بیماری کے بعد رحلت کر گئیں۔ اس وقت وہ آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ دو سال بعد ان کے والد نے دوسری شادی کر لی، اور یوں ان کی زندگی میں سوتیلی ماں داخل ہو گئیں۔ ان کے ادب میں سوتیلی ماں کا بار بار ذکر آیا ہے۔ بالکل عیاں ہے کہ ان کی زندگی میں والدہ کے انتقال سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا، سوتیلی ماں اسے پُر نہیں کر سکتی تھیں۔

اسی زمانے میں پریم چند کو داستانی ادب پڑھنے کا بڑا شوق ہو گیا۔ انھوں نے ایک تمباکو فروش کی دوکان پر طلسم ہوشربا کے ختم نہ ہونے والے قصّے سنے، جو سچ مچ افسانوی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب فیضی کی تصنیف ہے اور یہ قصّے اس نے اکبر کو خوش کرنے کے لیے لکھے تھے۔ پریم چند سال بھر تک یہ قصے سنتے رہے، جس سے ان کے خیالات میں طوفان سا برپا ہو گیا۔

دوسرے افسانوی ادب میں پریم چند نے رتن ناتھ سرشار کی تصانیف اور رینالڈز کی مسٹریز آف کورٹ آف لندن کا مطالعہ کیا۔ گورکھپور کے ایک کتب فروش بدھی لال سے ان کی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اسکول میں بدھی لال کی رٹنے والی کتابیں فروخت کرتے تھے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اور اس کے بدلے میں بدھی لال ان کو گھر پر پڑھنے کے لیے ناول دیا کرتا تھا۔ اس دو تین سال کی مدت میں پریم چند نے سینکڑوں ناول ضرور پڑھے ہوں گے۔

گورکھپور ہی میں پریم چند نے اپنا پہلا ادبی کارنامہ تصنیف کیا۔ یہ ایک مزاحیہ ڈرامہ تھا۔ جس میں انھوں نے اپنے کنوارے چھوٹے چچا کا مذاق اڑایا ہے۔ وہ اپنی بدقسمتی سے ایک نیچ ذات کی عورت پر لٹّو ہو گئے تھے۔ یہ چچا پریم چند کو افسانوی ادب کے انہماک پر جھڑکتے رہتے تھے۔ پریم چند نے چچا سے یوں بدلہ لیا کہ ان کے رومان پر ڈراما لکھ ڈالا۔ ان کی اس پہلی تصنیف کا آج کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے چچا نے اسے آگ کے سپرد کر دیا ہو۔!

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

(۳)

پریم چند نے اپنی زندگی کو سادہ اور سپاٹ کہا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی غیر معمولی بات یا کسی قسم کی ڈرامائیت نہیں ہے۔ یہ بس ان کے ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلوں کا یا ان کی تصانیف کے شائع ہونے کی تاریخوں کا ریکارڈ ہے۔ انھوں نے ایک دوست کو اپنی زندگی کا خلاصہ حسبِ ذیل الفاظ میں لکھا ہے۔

"تاریخ پیدائش ۱۹۳۷ سمبت ہے۔ باپ کا نام: منشی عجائب لال۔ سکونت: موضع مڑھوا ملہی، متصل پانڈے پور، بنارس۔ ابتداً آٹھ سال تک فارسی پڑھی۔ پھر انگریزی شروع کی۔ بنارس کے کالجیٹ اسکول سے انٹرنس پاس کیا۔ والد کا انتقال پندرہ سال کی عمر میں ہو گیا۔ والدہ ساتویں سال گزر چکی تھیں۔ پھر تعلیم کے صیغے میں ملازمت کی۔ ۱۹۰۱ء سے لٹریری زندگی شروع کی۔"

خود نوشت سوانح عمری میں جس کا حوالہ اوپر گزرا ہے۔ اس طرح

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بیان کرتے ہیں :

"میری زندگی ایک سادہ اور سپاٹ میدان ہے جس میں کہیں کہیں گڑھے تو ملیں گے، لیکن اس میں کوئی ٹیلے، پہاڑیاں، گھنے جنگل، گہری وادیاں یا کھنڈر نہیں ملیں گے۔ پہاڑوں میں گھومنے پھرنے والوں کو یہاں سخت مایوسی ہوگی۔"

پندرہ سال کی عمر میں پریم چند نویں کلاس میں پہنچے تھے۔ اس زمانے میں وہ کوئنس کالج بنارس میں پڑھتے تھے اور ان کا خرچ پانچ روپیہ مہینہ تھا۔ وہ ایک پوٹلی میں گڑ اور چنے لیکر گھر سے صبح سویرے چل پڑتے۔ دن بھر اسکول میں پڑھتے اور شام کو دیر سے گھر پہنچتے۔ رات کو تیل کے دیے کی روشنی میں پڑھا کرتے تھے۔

پندرہ سال کی عمر میں پریم چند کی شادی ہوگئی۔ یہ رشتہ ان کے سوتیلے نانا نے طے کیا تھا۔ بعض اشارے ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی نہ تو خوبصورت تھی، نہ تربیت یافتہ، اور اس پر جھگڑالو بھی تھی۔ الغرض متوقع رومان آغاز ہی میں شکستہ و منتشر ہو گیا۔

ان کی شادی کے جلد بعد ہی پریم چند کے والد بار بار بیمار پڑے اور بالآخر ۱۸۹۷ء میں انتقال کر گئے۔ انھیں دسویں درجے کا امتحان بھی دینا تھا۔ پریم چند فی الواقع بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ مجبوراً بنارس ہی میں انھوں نے ایک لڑکے کو پڑھانے کی نوکری کر لی۔ اسکول ختم ہونے کے بعد وہ چھ بجے شام تک اس لڑکے کو پڑھاتے، پھر پیدل لمہی جاتے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اور کہیں آٹھ بجے شب میں گھر پہنچتے۔ ایسے حالات میں انھوں نے میٹرک کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔ قاعدے اور ضابطے کے مطابق، کوئنس کالج میں صرف فرسٹ ڈویژن میں پاس ہونے والوں کی فیس معاف ہو سکتی تھی۔ لہٰذا انھوں نے سینٹرل ہندو کالج میں داخلہ لینا چاہا لیکن یہاں ریاضی (حساب) ان کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔

خوش قسمتی سے انھیں ایک دوسری پڑھانے (ٹیوشن) کی نوکری مل گئی۔ اب وہ ایک ایڈوکیٹ کے لڑکے کو پڑھانے لگے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"مشاہرہ پانچ روپے مہینا تھا۔ میں نے تہیہ کیا کہ اس میں سے صرف دو روپے اپنی ذات پر خرچ کروں گا اور تین روپے گھر بھیج دونگا۔ اس ایڈوکیٹ کے اصطبل کی چھت پر ایک لانبی کوٹھری تھی۔ مجھے وہاں رہنے کی اجازت مل گئی۔ میں نے وہاں ایک ٹاٹ کا ٹکڑا بچھالیا اور بازار سے ایک چھوٹا سا لیمپ خرید لایا۔ اور یوں میری شہری زندگی کا آغاز ہوا۔ میں گھر سے کچھ برتن بھی لے آیا تھا۔ میں صبح کے وقت تھوڑی سی کھچڑی پکا لیتا تھا۔ پھر برتن مانجھ دھوکر لائبریری چلا جاتا۔ ریاضی کا تو ایک بہانہ تھا، میں وہاں بیٹھا ناول پڑھتا رہتا تھا۔"

اسی طرح زندگی گزارنے میں وہ مقروض بھی ہو گئے۔ انھوں نے اپنی ایک کتاب ایک کتب فروش کے ہاتھ ایک روپیہ میں فروخت کر دی۔ وہاں ان کی چنار کے ایک مشنری اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے ملاقات ہو گئی،

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

جو اپنے اسکول کے لیے ایک ٹیچر کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ انھوں نے پریم چند کو اٹھارہ روپیہ ماہانہ پر نوکر رکھ لیا۔ یہ ۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے۔

یہ تھی ابتدا پریم چند کے طویل مدت تک ٹیچری کے پیشے کی۔ مگر وہ اس اسکول میں زیادہ عرصے تک نہیں رہے۔ ۱۹۰۰ء میں انھیں بہرائچ کے گورنمنٹ ڈسٹرکٹ اسکول میں اسسٹنٹ ٹیچری مل گئی۔ ان کی یہ نوکری سرکاری نوکری تھی، اور تنخواہ بھی شاہانہ تھی یعنی بیس روپے مہینا۔ دو مہینے بعد ان کا تبادلہ پرتاب گڑھ ہو گیا؛ اور وہاں سے وہ ٹیچری کی ٹریننگ کے لیے الٰہ آباد بھیج دیے گئے، جس کے بعد وہ الٰہ آباد ماڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ پھر جلد ہی ان کا تبادلہ کانپور گورنمنٹ اسکول میں ہو گیا۔ یہی زمانہ دنیائے ادب میں ان کی امیدواری کا زمانہ تھا۔ قیام کانپور کے دوران میں ان کا منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر "زمانہ" سے گہرا ربط و تعلق پیدا ہو گیا، جو عمر بھر قائم رہا۔

پریم چند کا سب سے پہلا ناول "اسرارِ معابد" بنارس کے ہفتہ وار اردو اخبار "آوازِ خلق" میں بالاقساط ۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء سے فروری ۱۹۰۵ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس ناول میں مندر کے پجاریوں اور مہنتوں کے کرتوتوں کا بیان کسی قدر مبالغے کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یشو دانند ایک پانڈا ہے، جو نہایت بدچلن اور گندہ آدمی ہے۔ وہ کسبیوں کے ساتھ گلچھرے اڑاتا اور شریف عورتوں کی جو مندر میں پوجا کرنے آتی ہیں عصمت دری کرنے کے درپے رہتا ہے۔ ناول کے اہم کردار یہ ہیں: یشو دانند پانڈا،

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بی بی جان ایک کسبی اور رام کلی ایک نوجوان شریف عورت ہے، جسے پانڈے نے خراب کیا ہے۔

اس ناول کا تانا بانا ڈھیلا ہے، تفصیلات کی رنگ آمیزی حد سے بڑھ گئی ہے اور اس بنا پر اسے حقیقت پرستانہ کے بدلے فطرت پرستانہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ اس کے اندر زندگی کا ایک ہی رخ مبالغے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اور وہ بھی بہت زیادہ توڑ مروڑ کے۔ حقیقت اس سے کہیں زیادہ سیدھی سادی ہے جتنی اس ناول میں دکھائی گئی ہے۔ اس لیے یہ زندگی کی مثالی تصویر پیش نہیں کرتا ہے۔ ہلکے طنز اور تمسخر کی فضا پورے ناول پر چھائی ہوئی ہے۔ تصویر کشی کی کوشش مفقود ہے۔ کردار بھی یا تو مجسّم نیکی ہیں یا تمام تر سیہ کاری۔ پورے ناول میں ایک ہی معقول کردار ہے اور وہ رام کلی کے شوہر کا۔ مگر اسے ہر آدمی احمق بناتا ہے۔ دُلاری ایک پاکباز لڑکی ہے، جو رام کلی کی غمزہ طرازیوں کے پھندے میں پھنسنے سے انکار کر دیتی ہے۔ مگر اس کردار کو پوری طرح نمایاں نہیں کیا گیا ہے۔

بہر حال یہ ناول مصنّف کی نومشقی کی غمازی کرتا ہے۔ چونکہ اس میدان میں یہ ان کی پہلی کوشش ہے۔ اس کے اندر جوانی کے جذبات کی افراط ہے، جو زندگی کو صرف سفید یا صرف سیاہ رنگ میں دیکھنا چاہتی ہے، اور اسے دھیمے سرمئی رنگ میں دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

پریم چند کا دوسرا ناول "ہم خرما و ہم ثواب" ۱۹۰۷ء میں انڈین

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریس، الہ آباد سے "پریما" کے نام سے ہندی میں شایع ہوا۔ اس کی قیمت دس آنے تھی۔ اس ناول کا ذیلی عنوان " دو سکھیوں کا ووا" ہے۔ اور مصنّف کا نام بابو نواب رائے بنارسی دیا ہے۔ پہلی کوشش کے مقابلے میں یہ ناول موضوع اور مواد کے پہلو سے کہیں زیادہ پختہ کاری کا حاصل کہا جا سکتا ہے۔ اس ناول کا ہیرو امرت رائے، اپنی خوبصورت اور امیر گھر کی منگیتر "پریما"، کو چھوڑ کر ایک نوجوان بیوہ پورنا سے شادی کر لیتا ہے۔ وہ سماج میں اصلاح و ترقی کے دشمن عناصر کا دلیرانہ مقابلہ کرتا اور کامران ہوتا ہے۔ یہ ناول قدامت پرستی کی شکل میں سماجی خرابیوں اور معاشرے کے نقائص کے خلاف گویا پریم چند کی ادبی جنگ کا ہراول ہے۔

اس کے باوجود کہ اس ناول میں جابجا پریم چند کی بعد کے زمانے کی ادبی عظمت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ تاہم اس سے نومشقی کا ثبوت بھی ملتا ہے، اور وہ ذہنی تربیت یا رچاؤ مفقود ہے جو پختگی کا ثمرہ ہوتا ہے۔ اس ناول کے کردار بھی نہایت سادہ ہیں، جن کو نیکی یا بدی کا نمایندہ کہا جا سکتا ہے، ان میں پیچیدہ انسانی فطرت کہیں نہیں ملتی، جس میں طاقت کے ساتھ کمزوری بھی ہوتی ہے۔

ان کے ابتدائی زمانے کے ایک اور ناول "کشنا"، کا اشتہار ۱۹۰۷ء میں نکلا اور اسی سال "زمانہ" میں اس پر تبصرہ بھی شایع ہوا۔ اس ناول کی ضخامت ایک سو بیالیس صفحے تھی۔ لیکن آج اس کا کوئی نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔ اس ناول کا موضوع عورتوں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کی زیوروں سے محبت ہے جسے طنزیہ شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ 'کشنا' آیندہ لکھے جانے والے ناول "غبن" کا ابتدائی خاکہ ہے۔

پریم چند کانپور میں بہت خوش وخرّم رہے۔ ماہنامہ 'زمانہ' کا دفتر ادبی زندگی کا مرکز تھا، پریم چند ان صحبتوں سے بہت لطف اندوز ہوتے رہے۔ منشی دیا نرائن نگم سے ان کی دوستی بہت جلد یگانگت کا رنگ اختیار کر گئی۔ گرمی کی چھٹیوں میں جب وہ لمہی جاتے تو کانپور کی ادبی فضا کی یاد انھیں ستاتی رہتی۔ ایک خط میں نگم صاحب سے 'لمہی' کی گرمی کی شکایت کی ہے؛ جس کے باعث وہ کوئی ادبی کام نہیں کر سکتے:

"گرمی کی کیفیت نہ پوچھیے۔ کہلانے کو تو صاحبِ مکان ہوں اور خدا کے فضل سے مکان بھی سارے گاؤں کا محسود ہے۔ مگر رہنے کے قابل ایک کمرہ بھی نہیں۔ کوٹھے پر آگ برستی ہے؛ بیٹھا اور پسینہ چوٹی سے ایڑی کو چلا۔ نیچے کے کمرے سب گندے، پریشاں؛ کسی میں بیل بندھتا ہے، کسی میں اُپلے جمع ہیں، کہیں اناج کا ڈھیر ہے، کسی میں جانت، چکی، اوکھلی، موسلی وغیرہ جلوس فرما ہیں۔ کوئی بیٹھے کہاں، سوئے کہاں! مجبوراً اناج کے گھر میں ایک چارپائی کی جگہ نکالی ہے، اس پر دن رات پڑا رہتا ہوں۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اکیلے گھومنے کہاں جاؤں! بچّے تین چار دن کے لیے
آئے تھے۔ ہماری مخدومہ کو پہنچانے کے لیے بستی گئے۔ وہاں
سے اپنی والدہ کے پاس چلے جائینگے۔ اس گرمی میں کیسا پڑھنا،
کیسا لکھنا! صبح کے وقت گھنٹہ آدھ گھنٹہ ورق گردانی کر لیتا
ہوں، باقی رات دن ہیں ہوں اور چارپائی! مُسلکڑ بڑا ہوں،
مگر نیند بھی کچھ میرے گھر کی لونڈی نہیں، اس پر تردّد الگ۔
کہاں ہنسی مذاق میں دن کٹتا تھا، کہاں چپ کی مٹھائی یا گونگے
کا گڑ کھا کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ عجب ضیق میں جان مبتلا ہے بھائی،
جلدی سے چھٹی کٹے، اور پھر یاروں کے جلسے اور چہچہے قہقہے
ہوں۔ کوئی ہیں دن سے زیادہ گزرے، مگر قسم لے لو، جو زبان
سے پیارا لفظ "بمبوق" ایک بار بھی نکلا ہو۔"

پریم چند کی پہلی شادی یکسر ناکام رہی۔ اسی گرمی کے موسم میں
ان کی بیوی نے گلے میں پھندا ڈالکر خودکشی کر لینا چاہی تھی۔ اس واقعے کا
ذکر انھوں نے نگم صاحب کے نام ہی ایک اور خط میں کیا ہے:

" برادرم، اپنی بیتی کس سے کہوں! ضبط کیے کیسے کو فت
ہو رہی ہے۔ جوں توں کر کے ایک عشرہ کاٹا تھا کہ خانگی تردّدات
کا تانتا بندھا۔ عورتوں نے ایک دوسرے کو جلی کٹی سنائی۔
ہماری مخدومہ نے جل بھن کر گلے میں پھانسی لگالی۔ ماں نے
آدھی رات کو بھانپا، دوڑیں، اس کو رہا کیا۔ صبح ہوئی۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

میں نے خبر پائی، جھلّایا، بگڑا، لعنت ملامت کی۔ بیوی صاحبہ نے اب ضد پکڑی کہ یہاں نہ رہونگی، میکے جاؤنگی۔ میرے پاس روپیہ نہ تھا۔ ناچار کھیت کا منافع وصول کیا۔ ان کی رخصتی کی طیّاری کی۔ وہ رو دھوکر چلی گئیں۔ میں نے پہنچانا بھی پسند نہ کیا۔ آج ان کو گئے آٹھ روز ہوئے، نہ خط، نہ پتّر۔ میں ان سے پہلے ہی خوش نہ تھا، اب تو صورت سے بیزار ہوں۔ غالباً اب کی جدائی دائمی ثابت ہو۔ خدا کرے، ایسا ہی ہو! میں بلا بیوی کے رہونگا۔"

پریم چند کی پہلی شادی اور بیوی کے متعلق حیرت انگیز حد تک نہایت قلیل اطلاعات بہم پہنچ سکی ہیں۔ خود پریم چند نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ اور دوسروں نے بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اس طرح یہ سارا معاملہ ایک راز بن کر رہ گیا ہے۔ ان کی پہلی بیوی خوبصورت نہیں تھی۔ اس پر وہ بدمزاج اور جھگڑالو بھی تھی۔ لیکن ہندستان میں یہ باتیں رشتۂ زوجیت کے انقطاع کے لیے کافی نہیں ہیں۔ پریم چند خود متحمّل مزاج کے نباہ کرنے والے آدمی تھے۔ اور اپنی دوسری شادی کے زمانے میں بھی وہ اسی طرح رہے۔

خوش قسمتی سے ان کی دوسری شادی نہایت خوش و خرم ثابت ہوئی۔ بالآخر پہلی بیوی کا انجام کیا ہوا یہ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ اتنا پتا چلا ہے کہ دوسری شادی کے بعد بھی وہ کئی سال تک زندہ رہی اور کبھی کبھی

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اسے منا کر گھر لے آنے کی بات بھی چلی تھی۔ شورانی دیوی کہتی ہیں کہ
وہ خود بھی یہ چاہتی تھیں کہ پریم چند جا کر پہلی بیوی کو لے آئیں،
مگر پریم چند نے انکار کر دیا تھا۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند خوش رو آدمی تھے، کھلتی رنگت اور نکلتا قد تھا۔
ان کی بھورے رنگ کی مونچھیں گھنی تھیں۔ صافہ باندھ لیتے تو کہیں کے راجکمار معلوم ہوتے تھے، حال آنکہ وہ ہر پہلو سے نہایت سیدھے سادے آدمی تھے۔ پہلی دفعہ ان سے مل کر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ یہی پریم چند ہیں۔ اجنبی ان کے مکان پر آ کر خود ان سے پوچھتے کہ پریم چند کہاں ہیں۔ انھیں توقع ہوتی تھی کہ وہ کوئی بڑے سنجیدہ اور رعب دار آدمی ہوں گے، نہ کہ ایک سیدھی سادہ سی شخصیت، نہ رنگ نہ روغن، کسی کسان کا بیٹا! ٹیگور کی شخصیت ایسے لوگوں کے قیاس کے بالکل مطابق تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایسے قیاس قائم کرنے والے ان سے پہلی مرتبہ مل کر بہت مایوس ہوتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کی ذاتی نیکی، شرافت، سادگی اور زندگی کے بارے میں ان کا گہرا اور سنجیدہ رویہ، ان کی خوش طبعی، یہ سب باتیں دیکھ کر وہی لوگ ان سے حد درجہ مانوس ہو جاتے تھے۔ پریم چند کی ذات میں شان اور رعب داب کا خاصا مطلق نہیں تھا، جیسا کہ لوگ ان کی شہرت کی بنا پر قیاس کر لیتے تھے۔ اس کے بالکل برخلاف

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

وہ بھومی کے سپوت اور اپنی جسمانی ساخت اور ذہنی افتاد کے اعتبار سے ایک سچے کسان تھے۔

پریم چند کو جان لینے کے معنے ان سے محبت کرنا تھے۔ اگرچہ قدامت پرست اور لکیر کا فقیر طبقہ انھیں بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنے مزاج اور بات چیت میں فرقہ واریت سے کوسوں دور تھے۔ وہ ایک انقلابی کی طرح سوچتے تھے۔ اپنی کہانیوں میں کٹر پنتھی طبقے پر بے جھجک سخت چوٹیں کرتے رہتے تھے۔ ان کا قہقہہ بھی بڑا زوردار تھا۔ اگر انھیں گدگدا دیا جاتا تو انکے قہقہے یکے بعد دیگرے بلند ہوتے جاتے تھے۔ ان کا یہ خاصہ ان کے دونوں لڑکوں کو ورثہ میں ملا ہے۔

پہلی بیوی سے پریم چند کا کوئی جوڑ نہ تھا، نہ صورت شکل میں اور نہ ذہنی تربیت کے لحاظ سے۔ لہٰذا یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ یہ صورتِ حال بیوی کے لیئے واقعی ایک المیہ تھی، اور عمر بھر کے لیے ایک لعنت۔ اس میں سارا قصور ہندستانی طریقۂ ازدواج کا ہے، جس نے اس ادارے کو جوئے بازی کی شکل دے دی ہے۔ یہ شادیاں بالعموم درمیانی نچلے طبقے کے آدمیوں کے ذریعہ قرار پاتی ہیں۔ . . . اور یہ لوگ نوجوان جوڑے کی خوشی سے زیادہ اپنے حلوے مانڈے کا خیال رکھتے ہیں۔ دسرت چندرؔ کے ایک ناول میں ایک بوڑھا برہمن جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے، نوجوان لڑکیوں سے بیاہ رچاتا ہے، تاکہ ان کے ماتا پتا کو سورگ میں ٹھکانا مل جائے اس کی متعدد بیویاں ہیں۔ وہ ہر بیوی کے پاس سال میں ایک مرتبہ جاتا ہے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اور وہاں سے قیمتی تحفوں سے لدا پھندا گھر واپس آتا ہے۔ پھر وہ بڑھاپے کے سبب سفر کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن لالچ بری بلا ہے۔ وہ اپنے نیچ ذات کے آدمی کو یہ تحفے لانے کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ حیرتناک پیشہ ہندستان کی پوتر سرزمین ہی پر پھل پھول سکتا ہے۔

اب پریم چند نے ایک بیوہ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ ان کے آدرشوں اور شرافتِ نفس کے بالکل مطابق تھا۔ شورانی دیوی کمسنی ہی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ وہ فتحپور کے قریب کے ایک زمیندار کی بیٹی تھیں، جو بڑے حوصلہ مند آدمی تھے اور بیوہ بیٹی کو بیاہ دینے کے بڑے متمنی تھے۔ ۱۹۰۶ء میں جب پریم چند کی یہ شادی ہوئی ہے اس وقت کسی بیوہ سے شادی کرنا بڑی جرأت اور ہمت کا کام تھا۔

شورانی دیوی کی تصنیف "پریم چند گھر میں" سے ان کی گھریلو زندگی کی تصویر بڑی آب و تاب سے سامنے آتی ہے۔

اپنے پتاجی کی طرح وہ بھی پیچش کے مریض تھے اور ہمیشہ معدے کے امراض کا شکار رہے۔ وہ ایک ایسے سادہ مزاج آدرش وادی آدمی تھے، جس کو انسانی فطرت میں گہرا یقین ہو۔ وہ ہر کسی پر بھروسہ کر لیتے، اور اس میں انھیں ہمیشہ ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ وہ چھوٹی موٹی رقمیں لوگوں کو ادھار دے دیا کرتے تھے مگر کبھی کسی نے وہ قرضہ ادا نہیں کیا۔

اپنے نقطۂ نظر میں شورانی دیوی زیادہ دنیادار تھیں، اور پریم چند کی اس فیاضی پر اکثر نکتہ چینی کیا کرتی تھیں اور وہ بھی اس لیے کہ پریم چند ایسی

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

فیاضی برتنے کے قابل ہی نہیں تھے۔

اپنی تصنیف 'دھاپور شنکھ' میں پریم چند نے بیان کیا ہے کہ کس طرح ایک ادبی جعل ساز آدمی نے انھیں لوٹا۔ پریم چند اپنے سوتیلے چھوٹے بھائی مہتاب رائے کا روزگار بنانے کے لیے ایک چھاپہ خانہ لگانے کی سوچ رہے تھے۔ شورانی دیوی کا مشورہ تھا کہ چھاپہ خانہ ان کے بڑے بیٹے کے نام سے خریدا جائے یہ بات دونوں بھائیوں کے درمیان سخت غلط فہمی کا باعث بن گئی تمام معلومات سے متبادر ہوتا ہے کہ گھر میں پریم چند کی نہیں، بلکہ شورانی دیوی کی ہی بات بالا رہتی تھی۔

مئی ۱۹۰۵ء سے جون ۱۹۰۹ء تک پریم چند کانپور میں مقیم رہے۔ اس اثنا میں وہ سیاسی مسائل سے اگرچہ گہری دلچسپی لیتے رہے اور 'زمانہ' کے لیے مضامین بھی لکھتے رہے۔ اگرچہ سیاست انھوں نے گوکھلے کے چیلے کی حیثیت سے شروع کی تھی، مگر وہ بڑی تیزی کے ساتھ تلک کے عقائد کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔

دیا نرائن نگم اپنی طبع و مزاج کے اعتبار سے ایک میانہ رو (لبرل) تھے۔ لیکن پریم چند انتہا پسند تھے۔ اس کے باوجود ان دونوں کی دوستی برقرار رہی۔ اور اس میں کبھی فرق نہیں آیا۔ پریم چند کے عقائد کے بارے میں نگم صاحب نے حسب ذیل الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کیا ہے:۔

'پریم چند کا سیاسی جھکاؤ گرم دل کی طرف تھا۔ احمد آباد کانگریس دیکھنے ہم لوگ ساتھ ہی ساتھ گئے، اور ایک ہی جگہ ٹھہرے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

لیکن وہ مسٹر تلک کے طرفدار تھے اور مسز بیسنٹ کو کھلے اور سر فیروز شاہ کا حامی تھا۔ ہر وقت بحث رہتی تھی، مگر دونوں اپنی جگہ قائم رہے۔ چھوٹے موٹے سدھاروں کو وہ کافی نہ سمجھتے تھے اور منٹو مارلے (یا مونٹیگو چیمسفورڈ) کی اسکیم سے مطمئن نہ تھے۔"

پریم چند کے اس اندازِ فکر کے متعلق نگم صاحب مزید لکھتے ہیں :-

" پریم چند نابرابری کی لڑائی میں سمجھوتے کے خیال کو شبہے کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کو خیال تھا کہ کڑی جدوجہد کے بغیر کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور وہ اس کے لئے عوام کو جلد سے جلد تیار کرنے کی طرف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حکومت سے سخت ٹکر لیئے بغیر کام نہ چلے گا۔"

شورانی دیوی کے بیان کے مطابق کانپور کے قیام کے زمانے میں ان کا پروگرام یہ تھا:

" وہ صبح ہمیشہ چار بجے اٹھ جاتے۔ حقّہ یا سگرٹ پیتے حوائجِ ضروریہ سے فراغت پاکر منہ ہاتھ دھوتے، اور جو کچھ موجود ہوتا اس سے ناشتہ کر لیتے۔ اس کے بعد وہ لکھنے بیٹھ جاتے تھے۔ ان کا قلم اس تیزی سے چلتا تھا، جس تیزی سے مزدور کا پھاوڑا چلتا ہے۔ شام کے وقت نگم صاحب کے یہاں دوستوں کی محفل جمتی اور وہاں سے وہ خاصی دیر سے گھر آتے۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند کی سب سے پہلی کہانی "دنیا کا انمول موتی" ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ کہانی پرانے سانچے میں ڈھلی تھی۔ جیسے الف لیلےٰ کی کہانیاں ہیں، لیکن اس کا موضوع اخلاقی تھا۔ پریم چند کی ابتدائی کہانیاں اخلاقی موضوعات ہی پر مبنی ہیں مگر ان میں سماجی جوہر بہر حال موجود رہتا تھا۔ ان کی یہ کہانیاں اوپری طور پر حکایاتِ لقمان، اور ہت اپدیشں اور پنچ تنتر سے مماثل معلوم ہوتی ہیں۔

اپنی اس پہلی کہانی میں پریم چند نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اس دنیا میں سب سے بیش قیمت کیا چیز ہے؟ جب باپ کا بیٹا سولی پر چڑھا دیا جائے، اس کے آنسو نہیں ہو سکتے۔ نہ اس وفادار بیوی کے پھول جو اپنے پتی کی چتا میں جل کر ستی ہو جاتی ہے۔ بلکہ سب سے بیش بہا لہو کی وہ بوند ہے، جو وطن کی آزادی کے لیے بہایا گیا ہو۔!

پریم چند کی کہانیوں کے پہلے مجموعے "سوزِ وطن" کا اشتہار ۱۹۰۸ء میں 'زمانہ' کے اگست نمبر میں ملتا تھا۔ اس مجموعے کی پانچ کہانیاں حبِ وطن کے موضوع پر ہیں۔ اپنے قیام کانپور کے دوران میں پریم چند نے سیاسی موضوعات پر کافی تعداد میں مضامین لکھے۔ میزینی کی زندگی پر ایک طنزیہ مضمون، گیری بالڈی کا ایک خاکا اور وویکا نند پر ایک توصیفی مضمون۔ اسی زمانے کی چیزیں ہیں۔

۱۹۰۹ء میں پریم چند کا تبادلہ مہوبا ہو گیا۔ اس وقت وہ نائب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز تھے، اور تنخواہ پچاس روپے ماہوار پاتے تھے۔ "سوزِ وطن" کی کہانیاں حکومتِ وقت کی ناراضی کا موجب ہوئیں۔ اور یہ پتا بھی چلا لیا گیا کہ نواب رائے ایک سرکاری ملازم دھنپت رائے کا قلمی نام ہے۔ غرض پریم چند کو دیکھتے کو نکلوں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پر گھسیٹ کر مجسٹریٹ کے سامنے کھینچ بلایا گیا۔ اس نے "سوزِ وطن" کے سارے نسخوں کا ضبطی کا حکم دیدیا۔ مزید حکم یہ ہوا کہ آئندہ وہ حکومت کی اجازت کے بغیر نہ کچھ لکھیں گے، نہ چھپوائیں گے۔ اب نواب رائے قلمی نام بیکار ہو گیا تھا۔ اس لیے انھوں نے پریم چند نام اختیار کیا۔ جس سے آج ادبی دنیا بخوبی واقف ہے۔ یہ نام نگم صاحب نے تجویز کیا تھا، جسے پریم چند نے بخوشی قبول کر لیا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے جانے کی تفصیل خود پریم چند کے لفظوں میں سنئے:

"ایک دن میں رات کو اپنی راؤٹی میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے نام ضلع کے حاکمِ اعلیٰ کا پروانہ پہنچا کہ میں ان سے فوراً ملوں۔ جاڑوں کے دن تھے، صاحب دورے پر تھے۔ میں نے بیل گاڑی جتوائی اور راتوں رات چالیس میل طے کر کے دوسرے دن صاحب سے ملا۔ صاحب کے سامنے "سوزِ وطن" کی ایک جلد رکھی ہوئی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ اس وقت میں نواب رائے کے نام سے لکھا کرتا تھا۔ مجھے اس کا کچھ کچھ پتہ چل چکا تھا کہ خفیہ پولیس اس کتاب کے مصنّف کی کھوج میں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے مجھے کھوج نکالا اور اسی کی جوابدہی کے لئے مجھے بلایا گیا ہے۔

صاحب نے مجھ سے پوچھا:

"کیا یہ کتاب تم نے لکھی ہے۔؟"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

میں نے تسلیم کیا۔

صاحب نے مجھ سے ایک ایک کہانی کا نفسِ مطلب پوچھا اور آخر میں بگڑ کر بولے :

"تمہاری کہانیوں میں باغیانہ خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ اپنی خوش نصیبی سمجھو کہ انگریزی عملداری میں ہو۔ مغلوں کا راج ہوتا، تو تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ لیے جاتے۔ تمہاری کہانیاں جانبدارانہ ہیں، تم نے انگریز سرکار کی توہین کی ہے۔"

جب پریم چند کانپور سے مہوبے کے لیے روانہ ہو رہے تھے، تو انڈین پریس، الٰہ آباد کے مالک چنتامنی گھوش نے ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ ایک اردو ماہنامے کی ایڈیٹری قبول فرمائیں گے۔ جو انڈین پریس سے جاری ہونے والا تھا۔ اس ملاقات میں ماہنامے کے نام کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ پریم چند نے "فردوس" نام تجویز کیا۔ لیکن انھیں سرکاری نوکری چھوڑ دینے میں تامل تھا۔ بالآخر یہ ماہنامہ "ادیب" کے نام سے پیارے لال شاکر کی ایڈیٹری میں شائع ہوا۔

تعجب ہوتا ہے کہ پریم چند سرکاری نوکری کی دقتوں اور دشواریوں کے پیشِ نظر بار بار نوکری چھوڑ دینے پر آمادہ ہوئے، مگر آخری لمحے میں ہمیشہ ہچکچا جاتے۔ یہی صورت حال 'زمانہ' کے معاملے میں بھی سامنے آئی۔ وہ 'زمانہ' کے لیے کام اور کانپور میں قیام کرنے پر تیار تھے۔ مگر اس کے لیے ایک کم... رقم کی مالی ضمانت چاہتے تھے۔ لیکن اس میں بھی وہ آخری لمحے میں ڈگمگا گئے۔ اور انکار کر دیا۔ اسی طرح انھوں نے مارواڑی اسکول میں اسسٹنٹ ٹیچر

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کی نوکری قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ انھوں نے نگم صاحب کو لکھا کہ وہ ہیڈ ماسٹری سے کم پر کسی طرح جانے کو تیار نہیں۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

(۵)

پریم چند اپنی کتابیں پیٹ کے بل لیٹ کر لکھا کرتے اور ان کی ٹانگیں اوپر ہوا میں جھولتی رہتی تھیں۔ پیارے لال شاکر نے ان کے کام کرنے کا طریقہ حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

" ایک دن پھرتا پھراتا میں منشی پریم چند کے مکان کی طرف جا نکلا۔ سوچا ادھر آیا ہوں، تو ان سے بھی مل لینا چاہیے۔ ڈیوڑھی میں داخل ہوا، تو انھیں تخت پر عجب شان سے دیکھا، پیٹ کے بل اوندھے پڑے ہیں، دونوں ٹانگیں گھٹنے سے اوپر اٹھی ہوئی ہیں۔ سامنے ایک ہندی کتاب کھلی ہوئی ہے، قلم تیزی سے چل رہا ہے، اور قلم کی رفتار کے ساتھ ساتھ ٹانگیں بھی برابر ہل رہی ہیں۔ فوراً خیال ہوا کہ اس وقت کسی کتاب کی تنقید لکھی جا رہی ہے۔ اندر پہنچتے ہی میں نے دریافت کیا: کہیے، کس کی تواضع ہو رہی ہے؟ ہنس کر جواب دیا: تواضع تو کسی کی نہیں ہو رہی۔ آج ذرا روٹھی رانی کو منا رہا ہوں۔ "

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

وہ اپنے ناولٹ "روٹھی رانی" کو اردو میں منتقل کر رہے تھے۔

"یہ راجپوتی شجاعت اور خودسری اور ریشہ دوانیوں کی" اور ایک بہادر رانی اور ایک احمق و بدکار راجا کی کہانی ہے، راجپوتوں کے انحطاط اور انتشار اور نسوانی عظمت اور بلندی کی کہانی ہے"

پریم چند کے قلمی نام سے "بڑے گھر کی بیٹی" ان کی پہلی کہانی شائع ہوئی۔ آغاز میں انھوں نے خرقِ عادات یعنی معجزوں اور کرامتوں کو اپنا موضوع بنایا تھا۔ اب ان کی توجہ سماجی موضوعات پر مرکوز ہو گئی۔ ان کی تحریریں پختہ کاری اور کہنہ مشقی ایک فوری ریلے کی طرح داخل ہو گئی۔ مہوبے کے قیام کے زمانے میں انھوں نے بندیلوں کی مردانگی اور شجاعت پر کہانیاں لکھیں۔ "رانی سارندھا" اور "راجہ ہردول" جیسی کہانیاں۔ انھوں نے بندیلکھنڈ کے حسین مناظر، پہاڑی جنگلوں، وادیوں، ندیوں اور چشموں کے بارے میں بڑے جوش اور جذباتی انداز میں لکھا ہے۔

۱۹۱۲ء میں پریم چند کا نیا ناول "جلوۂ ایثار" چھپا۔ اس پر نواب رائے لکھا تھا، اور یہ انڈین پریس، الہ آباد سے شائع ہوا۔ کچھ دن بعد یہی ناول "وردان" کے نام سے ہندی میں شائع ہوا۔ غالباً یہی وہ ناول ہے جسے حسام الدین غوری نے "پرتاپ چند" لکھا ہے۔ (پرتاپ چند اس ناول کے ہیرو کا نام ہے)۔ اس ناول سے پریم چند کی پختگی کا مزید ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اس میں عوامی تحریک میں ان کا پہلا آزمائشی احساس بھی نظر آتا ہے۔ بےچینی کا بیج ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اور زبردست ارضی طاقتیں عوام کی ناراضی کے سامنے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

جھک جانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ مشغلہ تھا جو کچھ عرصہ بعد ان کے دو ناولوں "رنگ بھومی" اور "کرم بھومی" میں بھڑک اٹھا۔ ساتھ ہی اس ناول میں خوش دلی اور ہنسنے ہنسانے کی وہ روش بھی ملتی ہے، جو پریم چند کی خصوصیت ہے۔ ایک شوہر چوری کرنے کی نیت سے بیوی کے کمرے میں داخل ہوتا ہے اور وہاں پٹ جاتا ہے۔ اس کے کچھ دن بعد وہ مالی کی لڑکی سے معاشقہ کرنا چاہتا ہے اور ریل میں بغیر ٹکٹ کے سوار ہو جاتا ہے۔ مگر جب ٹکٹ چیکر ڈبے میں داخل ہوتا ہے تو چلتی ریل میں سے کود جاتا ہے۔

اس ناول میں دیہاتی زندگی، ہولی کی رنگ رلیاں، اور ہنسی ٹھٹول کے قصے بڑی خوبی سے بیان ہوئے ہیں۔ دیہاتی جنتا کی غریبی، مشکلیں، اور جبر و ظلم کی کہانی ہے۔ ان کرداروں کے نقش کرنے میں پختگی اور کہنہ مشقی نظر آتی ہے۔ برجن اور بالاجی سوامی ودیکا نند کی آوازِ بازگشت کے کردار خصوصیت کے ساتھ متاثر کرتے ہیں۔ برجن اپنے شوہر کملا چرن کو گانوٗ کے افسوسناک حالات اس طرح لکھتی ہے:

> "کیا سنتی تھی اور کیا دیکھتی ہوں۔ ٹوٹے پھوٹے پھوس کے جھونپڑے، مٹی کی دیواریں، گھروں کے سامنے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر، کیچڑ میں لپٹی ہوئی بھینسیں، کمزور گائیں۔ جی چاہتا ہے کہ کہیں چلی جاؤں۔ آدمیوں کو دیکھو، تو ان کی بری حالت ہے۔ ہڈیاں نکلی ہوئی ہیں۔ وہ بدنصیبی اور غریبی کی زندہ صورتیں ہیں۔ کسی کے جسم پر ایک بے پھٹا کپڑا نہیں ــ اور کیسے بدقسمت کہ رات دن

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پسینا بہانے پر بھی بھر پیٹ روٹیاں نہیں ملتیں۔"

اس ناول میں پریم چند کی مستقبل کی پختگیٔ فن کے تمام اجزا موجود ہیں۔ حقیقت کی بیرحمانہ عین مین نقاشی، شوخ اور جیتے جاگتے کردار، ملک کی بربادی اور اس کی بنیادیں، جنتا کے اندر مقابلے کا روز افزوں جذبہ اور عوامی تحریک کی قوت۔ ان ساری باتوں کا اظہار نہایت پرزور طریق پر ہوا ہے۔

بقول مدن گوپال کے جنھوں نے پریم چند کی ایک مستند سوانح عمری لکھی ہے، 'وردان'، 'شیاما' ہی کا نقشِ ثانی ہو سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ 'شیاما' شاید 'سوا آما'، پرتاپ چند کی ماں ہے۔ یہی ناول پرتاپ چند کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

قیامِ مہوبا کے دوران میں پریم چند مزمن پیچش کے مرض میں مبتلا ہو گئے" جس سے انھیں عمر بھر چھٹکارا نہیں ملا۔ ڈیڑھ سال کی بیماری میں پریم چند کی صحت بالکل جواب دے گئی۔ یہاں سے ان کا تبادلہ ترائی کے علاقے ضلع لبتی کو ہو گیا، جو صحت کے نقطۂ نظر سے بہتر جگہ نہیں تھی۔ انھوں نے علاج اور صحت کی بحالی کی غرض سے نصف تنخواہ پر چند مہینے کی رخصت لے لی۔ وہ لبتی ہی میں تھے جب "پریم پچیسی" کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ اس میں ان کی بعض بہترین کہانیاں شامل ہیں۔ مثلاً "بڑے گھر کی بیٹی"، "نمک کا داروغہ"، "دانی سرندھا"، راجہ ہردول وغیرہ۔ ہندی میں لکھنا بھی انھوں نے لبتی کے قیام کے زمانے میں شروع کیا۔ وہیں منن دویدی گجپوری سے ان کی دوستی کی بنیاد بھی پڑی، جو ان دنوں وہاں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

تحصیلداری کے عہدے پر مامور تھے۔ اس سے ان کی توجہ ہندی لکھنے کی طرف مبذول ہوئی۔ انھیں نظر آگیا تھا کہ مالی پہلو سے اردو میں تصنیف و تالیف مایوس کن تجربے سے زیادہ نہیں ہے۔

بستی کے قیام کے دنوں میں انھوں نے انٹرمیجیٹ پاس کیا، اور بہت سی اعلا پایے کی کہانیاں بھی وہیں لکھیں، جو پریم پچیسی حصّہ دوم میں شامل ہیں اس وقت ان کی مالی حالت کتنی نازک تھی وہ نگم صاحب کے نام ان کے ایک خط سے واضح ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے پرسوں والے خط میں کچھ "عطیۂ آزاد" کا ذکر کیا ہے۔ مئی اور جون میں کُل ۲۴ کالم ہوئے۔ اب شاید جون میں کچھ نہ لکھوں گا کیونکہ ہاضمہ نہایت کمزور ہو گیا ہے، اور ایک گھنٹہ بھی بیٹھنا دشوار ہے۔ اگر موعودہ شرح رکھیے، تو آٹھ مبلغات ہوتے ہیں۔ اگر آپ بغیر بہت زیادہ تردّد کے ایک تین چار روپے کی واچ اور ساڑھے چار روپے کا جوتا بھجوا سکیں، تو آپ کا بہت ممنون ہونگا۔ ایک ہی پارسل میں دونوں آسکتے ہیں۔ میرا جوتا چھوٹک نے لیا ہے، اور میں برہنہ پا ہوں۔"

اس خط سے پریم چند کی اس وقت کی مالی دشواریاں سامنے آجاتی ہیں وہ سرکاری نوکری چھوڑ کر نگم صاحب کے ہفتہ وار اخبار "آزاد" میں کام کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ انھیں کوئی مالی ضمانت نہیں دے سکتے تھے، ہر چند کہ وہ 'زمانہ' اور 'آزاد' نکالنے میں پریم چند کی استعانت کے خواہشمند تھے۔ آج ان کے وارثوں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کے لیے پریم چند کی تصانیف سونے کی کان ہیں لیکن اپنی زندگی میں ان کے لیے ایک تین چار روپے کی گھڑی یا معمولی جوڑا جوتوں کا خریدنا مشکل تھا۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

(۶)

۱۸ اگست ۱۹۱۶ء کو پریم چند بحیثیت اسسٹنٹ ٹیچر نارمل اسکول گورکھپور میں پہنچے۔ وہ سکنڈ ماسٹر تھے اور ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ کا کام بھی کرتے تھے۔ یہاں وہ بہت خوش تھے۔ اسکول کا کمپاؤنڈ وسیع تھا جو ان کی صحت کے لئے بہت مناسب تھا۔ ان کی بیوی اور سوتیلی ماں میں اکثر تکرار ہوا کرتی تھی۔ مگر اب وہ اس کے عادی ہو گئے تھے۔ گورکھپور میں ان کو ایک نیا دوست بھی دستیاب ہوا۔ اور یہ تھے مہابیر پرساد پوڈار، اس دوستی کی وجہ سے وہ ہندی کے اور قریب آ گئے۔ انھوں نے ہندی میں ایک مختصر سی کتاب شیخ سعدی کے بارے میں تصنیف کی اور ٹالسٹائی کی بعض کہانیوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے پریم پچیسی کی بعض کہانیاں بھی ہندی میں منتقل کیں۔ ہندی میں ان کا یہ پہلا مجموعہ "سپت سروج" کے نام سے ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں یہ سات کہانیاں شامل تھیں:

(۱) بڑے گھر کی بیٹی، (۲) سوت، (۳) سجنتا کی ڈانڈ، (۴) پنچ پرمیشور (۵) نمک کا داروغہ، (۶) اپدیش، (۷) پریکشا۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

یہ کہانیاں ان کی زندگی بھر کی بہترین کہانیوں میں شمار کی جا سکتی ہیں۔

ان کہانیوں میں انہوں نے انسان کی فطری نیکی پر زور دیا ہے۔ "بڑے گھر کی بیٹی" میں آنندی (جو ایک اچھے خاندان کی بیٹی ہے) اپنے دیور سے ناراض ہے کیونکہ وہ ہر وقت اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا تھا۔ ایک بار اس نے اسے کھڑاؤں بھی اٹھا کر دے مارا تھا۔ لیکن جب آنندی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس طرح خاندان تتر بتر ہوا جا رہا ہے۔ اور اس کا دیور بھی اپنے کئے پر افسوس کا اظہار کر رہا ہے تو وہ اسے معاف کر دیتی ہے اور اپنے شوہر کو بھی سمجھا بجھا کر راضی کر لیتی ہے۔

اسی طرح "نمک کا داروغہ" میں داروغہ صاحب ایسا آدمی ہے جیسے کوئی بات سیدھے راستے سے ہٹا نہیں سکتی ہے۔ آخر کار حکومت اسے اس کی دیانتداری ہی کی وجہ سے نوکری سے برطرف کر دیتی ہے۔ مگر اسے ایک بے ایمان سیٹھ، جسے اپنے کاروبار کے لیے ایماندار آدمیوں کی تلاش تھی، نوکر رکھ لیتا ہے۔ پریم چند کی خیالی دنیا میں نیکی اور ایمانداری کا بدلہ اس طرح ملتا ہے۔ جب کہ واقعی دنیا میں ایسے واقعات نادر الوقوع ہیں۔ گانو کا منصف بھی اپنی نیک نفسی کے باعث چاہتا ہے کہ ذاتی بغض و عناد کو بھلا کر انصاف کرے۔ ایسا انصاف دیہاتی سماج میں نادر الوقوع چیز ہے۔ جہاں بہت سے اختلافات، تعصبات، ذات بندی، ضعیف الاعتقادی اور مذہبی عقیدوں کا دور دورہ ہے۔

پریم چند اپنے فطری آدرش واد اور خیر پسندی سے اپنے قارئین کے اندر

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

علویت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا ادب سماج میں خیر وخوبی پیدا کرنے کے لیے زبردست قوت ہے۔ وہ حق وانصاف کے حمایتی اور باطل و ناانصافی کے دشمن تھے۔ ان کا انسانی زندگی کا بیان حقیقت پر مبنی ہے۔ لیکن انھیں نیکی اور بدی کی آنکھوں سے مخفی، مستقل معرکہ آرائی بھی نظر آ گئی تھی۔ ساتھ ہی ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ آخر بدی کے مقابلے میں فتح خیر اور نیکی ہی کی ہوتی ہے۔

ان کی ہندی کہانیوں کا ایک مجموعہ "نوندھی" بمبئی کے مشہور ناشرین "ہندی گرنتھ رتناکر" نے شائع کیا۔ اس مجموعے میں ان کی بندیلوں کی شجاعت اور بہادری کے موضوع پر مشہور کہانیاں جیسے "رانی سارندھا" اور "راجا ہردول" وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے جلد بعد ہی پریم چند نے ہندی کہانیوں کا ایک اور مجموعہ شائع کیا جس کا نام "پریم پورنیما" ہے اس مجموعے میں ایک نہایت اعلےٰ کہانی۔ "ایشور نیائے" بھی شامل ہے جو "بڑے گھر کی بیٹی" اور "پنچ پرمیشور" کی روایات کی حامل ہے۔ ایک دولتمند گھر کا منہ چڑھا ملازم جو اب تک نہایت ایماندار اور بڑا خیال رکھنے والا ثابت ہوا تھا، اپنے راستہ سے ڈگ جاتا ہے۔ اور اپنے مالک کے بچے اور بیوہ کے ساتھ غداری کرتا ہے اور ان کی جائداد ہضم کر لینا چاہتا ہے کیونکہ ساری دستاویزیں اس کے قبضے میں ہیں۔ مقدمہ چلتا ہے اور عملی طور پر مقدمہ ہارا ہوا سمجھ کر وہ بیوہ اس نوکر سے کھلی عدالت میں کہتی ہے کہ قسم کھا کر کہو کہ یہ ساری جائداد تمہاری ہے۔ وہ قسم کھانے کو تیار نہیں ہوتا، اس کی فطری دیانت کا پلہ بالآخر بھاری رہتا ہے۔ پریم چند کے سارے ادب میں یہ کہانی

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

خاص اہمیت رکھتی ہے۔ انسان کے خمیر میں خیر اور شر دونوں کا حصہ ہے۔ وہ لغزش کھا سکتا ہے، مگر پھر کھڑا بھی ہو جاتا ہے۔ انسان کی فطری یا باطنی شرافت کا یہ عقیدہ روسو کا اندازِ فکر ہے، تہذیب و تمدّن کی سوفسطائیت نے بہت حد تک اس عقیدے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

۱۹۱۶ء اور ۱۹۱۷ء کے دوران میں پریم چند اپنے اہم ترین ناولوں میں سے پہلے ناول "سیوا سدن" (یا بازارِ حسن) کی تصنیف میں منہمک رہے۔ اصلاً یہ ناول اردو میں لکھا گیا تھا۔ اگرچہ اس کا ہندی ایڈیشن پہلے شائع ہوا، اسے ہندی پستک ایجنسی نے ۱۹۱۸ء میں شائع کیا تھا۔ جب کہ اردو ایڈیشن کی اشاعت کے بارے میں ہنوز گفتگو ہی ہو رہی تھی۔ پریم چند کو ناشر سے اس ناول کا معاوضہ چار سو روپیہ ملا تھا۔

"سیوا سدن" سماجی موضوع پر اردو یا ہندی میں پہلا اہم ناول ہونا چاہیے۔ اس سے پہلے ہندی میں شائع ہونے والے ناولوں کے موضوع واردات یا اعجاز و کرامت رہے تھے۔ اس ناول میں مصنف زندگی کے تلخ حقائق سے دلیرانہ دوچار ہوتا ہے؛ نہ وہ کسی بات کو مسترد کرتا ہے، نہ اس میں کوئی تخفیف کرتا ہے، ساتھ ہی وہ اپنے اس عقیدے کا بھی اظہار کرتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کی تعمیرِ نو کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، اور اس کے لئے قطعی یا کامل تباہی مقدر نہیں ہو چکی ہے۔ اس ناول کے کردار جیتے جاگتے پختہ کار انسان ہیں۔ اس ناول نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ ہندی ناول نویسی اپنے سنِ بلوغ کو پہنچ گئی ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سمن، اس ناول کی ہیروئن، ایک غریب آدمی سے بیاہ دی جاتی ہے۔ جو اس کی عمدہ ملبوس اور اُجلی زندگی کی تمنا پوری نہیں کر سکتا ہے۔ اس کا باپ ایک ایماندار پولیس افسر رہ چکا ہے اس کے ماتحت افسر اس لیے اس سے نفرت کرتے ہیں کہ وہ ان کے بھرشٹاچاری منصوبوں میں رکاوٹ ڈالتا تھا۔ مگر اس لیے کہ اسے اپنی بیٹی کا بیاہ کرنا ہے اور کوئی دوسری سبیل نہیں۔ اس لیے اس سے لغزش ہو جاتی ہے اور وہ گرفتار ہو کر سزایاب ہو جاتا ہے۔

'سمن' کو ایک دن اپنی سہیلی کے یہاں سے پلٹنے میں دیر ہو جاتی ہے اور شوہر جو اس کی بدمزاجی سے تنگ آچکا ہے وہ اسے رات ہی میں گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔ پہلے وہ سہیلی ہی کے یہاں پناہ لینا چاہتی ہے، لیکن وہاں اسے پناہ نہیں ملتی۔ بالآخر ایک رقاصہ، جو اس کے مکان کے سامنے والے گھر میں رہتی ہے، اسے پناہ دیتی ہے۔ اس لیے اب سمن عزت دار عورت نہیں رہتی۔ وہ کوشش کرتی ہے کہ سماج میں پھر اپنی پہلی حیثیت حاصل کر لے۔ لیکن کٹر پنتھی سماجی عناصر کی مخالفت کے باعث، جو ناچنے والیوں کی عزت تو کر سکتے ہیں مگر جن کی نظروں میں ہاتھ پاؤں مارنے والی سمن قابلِ نفرت بن چکی تھی، وہ ناکام رہتی ہے۔ سمن بالآخر ایک خیالی سماج میں پہنچ جاتی ہے، جہاں آدمی دیانتدارانہ اور شریفانہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اس ناول میں سماجی پس منظر کی تصویر کشی بڑی جاندار اور یقین آفرین ہے۔ پریم چند کی انسانیت پرست روح اپنی تخلیق کردہ مخلوق کو ہمدردی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور وہ ان کرداروں کی زندگی کے پُر آلام راستے کو گہرے احساس

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کے ساتھ دیکھا کرتی ہے۔

اس ناول کے صفحوں سے متعدد مضبوط و جاندار کردار ابھرتے ہیں۔ اور ان سے کہانی میں ڈرامائیت، حرکت اور خوشنما رنگ ابھر آتے ہیں۔

"سیوا سدن" کو مکمل کر لینے کے چند ہی مہینے کے اندر پریم چند نے "گوشۂ عافیت" لکھنا شروع کر دیا۔ جو ان کے بعد میں شائع ہونے والے دوسرے بڑے ہندی ناول "پریم آشرم" کا اردو متن تھا۔ اس نئے ناول پر انھوں نے ۲ رمئی ۱۹۱۸ء کو کام شروع کیا اور ۲۵ ر فروری ۱۹۲۰ء کو مکمل کر لیا۔ اس ناول کا پس منظر آزادیِ وطن کی جد و جہد میں تیزی آجانے کا زمانہ ہے، اور اس پر گاندھی جی کے ستیہ گرہ کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ یہ رولٹ ایکٹ، مارشل لا، اور جلیانوالہ باغ کا زمانہ تھا۔

اس ناول کے ہیرو پریم شنکر کی ذات میں پریم چند نے اپنے آدرش نئے انسان کو پیش کیا ہے۔ وہ ایک صابر اور متحمل مزاج آدمی ہے مگر اسے ناانصافی کے سامنے جھکنا نہیں جانتا۔ اگرچہ وہ خود زمیندار طبقے سے تعلق رکھتا ہے، مگر کاشتکاروں کا دلی ہمدرد ہے۔ اس ناول میں پریم چند نے دیہاتی سماج کی مشکلات اور مصائب کو بڑے وسیع پیمانے پر بیان کیا ہے۔ یہاں کاشتکاروں کا خون چوسنے والی اور ان پر جبر و ستم ڈھانے والے سب ہی اکٹھا ہو گئے ہیں۔ گیان شنکر گویا بدی کا مجسمہ ہے، لیکن پریم شنکر کی گہری انسانیت دوستی اور نیک نفسی ہر طرح کی بدی پر فتح حاصل کر لیتی ہے۔ اس کی ابتلا و آلام کی زندگی اس کے دشمنوں کو بھی اس کا دوست بنا دیتی ہیں۔ بالآخر وہ پریم آشرم کی بنیاد رکھتا ہے، جہاں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

آگر ہر کوئی بھی زمین جوت کر اپنی روزی پیدا کر سکتا ہے۔

قیامِ گورکھپور کے زمانے میں پریم چند کی رگھوپتی سہائے فراق سے دوستی ہو گئی۔ فراق اس وقت میور سنٹرل کالج الٰہ آباد میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور گرمی کی تعطیل میں گورکھپور آئے تھے۔ فراق کہتے ہیں:

"پریم چند کا گھر میرے لیے دوسرا گھر ہو گیا تھا۔ تیسرے پہر کو میں روز ہی ان کے گھر پہنچ جاتا تھا۔ عام طور سے مکان کے باہر صحن میں دو تین کرسیاں پڑی رہتی تھیں، اور پریم چند ایک کرسی پر بیٹھے ہوتے تھے۔ میں بھی آکر بیٹھ جاتا تھا۔ باتیں شروع ہو جاتی تھیں اور گھنٹوں تک ہوتی رہتی تھیں۔ عام طور سے دو ڈھائی گھنٹے دن رہنے پر میں پریم چند کے پاس آیا کرتا تھا، اور جب دن ڈوبنے کو ہوتا، تو وہ ایک بنارسی گچھا ہاتھ میں لے کر روز پاس ہی کے اردو بازار میں ترکاری خریدنے چلے جایا کرتے تھے اور میں اپنے گھر لوٹ آتا تھا۔"

ان دونوں کی دوستی پریم چند کے آخری دم تک قائم رہی۔ فراق صحیح معنی میں شاعر ہیں ہر چند کہ انھوں نے دوسری اصناف، خاص کر تنقید کے میدان کی بھی سیر کی ہے۔ فراق کو شکایت ہے کہ پریم چند کو شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔

انہی ایام میں پریم چند نے ایک اور گہری دوستی لاہور کے امتیاز علی تاج سے پیدا کی تھی، جو رسالہ کہکشاں نکالتے تھے۔ اس رسالے کے لیے پریم چند برابر لکھا کرتے تھے۔ تاج کا ایک پبلشنگ ہاؤس دار الاشاعت بھی تھا۔ تاج

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

نے پریم چند کی متعدد تصانیف شائع کیں۔ جن میں "بازارِ حسن" کے علاوہ "پریم بتیسی" اور "پریم پچیسی" دونوں کے دوسرے حصّے بھی شامل تھے۔ بعد میں "گوشۂ عافیت" بھی وہیں سے شائع ہوا۔ ان دونوں دوستوں میں مدتوں باقاعدہ مراسلت رہی، اگرچہ ذاتی ملاقات برسوں بعد ہو سکی۔

گورکھپور کے قیام کے زمانے ہی میں پریم چند نے بی اے کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔ یہ زمانہ قومی آزادی کی جدوجہد کا تھا۔ جب نارمل اسکول میں جشنِ فتح منایا گیا تو اسی لیے پریم چند نے اس میں شرکت نہیں کی۔ مسٹر میکنزی ڈائرکٹر تعلیم نے ہیڈ ماسٹر سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کا تحریری جواب پیش کریں۔

اس کے علاوہ ایک اور معاملے میں ان کا کلکٹر ضلع سے اختلاف ہو گیا پریم چند کی گائے کلکٹر کی کوٹھی کے احاطے میں چرنے کے لیے جا گھستی تھی۔ کلکٹر نے گائے کو گولی مار دینے کی دھمکی دی۔ گائے کے کسی مالک کے اس حق کی کہ وہ اپنی گائے دوسرے کے احاطے میں چرنے کو چھوڑ دے، مشکل ہی سے مدافعت کی جا سکتی ہے۔ مگر پریم چند غیر ملکی حاکموں کے تبختر اور ہتک آمیز رویے کے مقابلے میں قومی خودداری پر اڑے رہے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ان کے ایک پرانے شاگرد نے بیان کیا ہے:

"کلکٹر کے بنگلے اور نارمل اسکول کے درمیان پکی سڑک ہے، جو جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف نارمل اسکول کے احاطے کے ساتھ ساتھ شہر کو چلی جاتی ہے۔ اس سڑک کے جنوب کی طرف

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سیکنڈ ماسٹر منشی پریم چند کا مکان پڑتا تھا۔ روزانہ شام چار بجے کے قریب کلکٹر اس سڑک پر ٹہلنے کے لیے نکلتا تھا۔ اور اس وقت سیکنڈ ماسٹر صاحب اپنے برآمدے میں بیٹھے ناول پڑھنے میں منہمک ہوتے تھے۔ ایک روز کلکٹر نے اشارہ کر کے انہیں بلایا۔ اور جب یہ سامنے آئے تو کہا کہ "میں یہاں سے روزانہ گزرتا ہوں، تم مجھے سلام کرنے کے لیے کیوں نہیں آتے ۔؟" ماسٹر صاحب نے جواب میں کہا: "میں اپنے کام میں مصروف رہتا ہوں۔ اور یہ میرا فرض بھی نہیں ہے کہ اس سڑک پر سے آنے جانے والے کے سلام کو حاضر ہوں۔ خواہ وہ کوئی سرکاری افسر ہی کیوں نہ ہو۔"

(اس واقعے سے متعلق ایک اور روایت یہ ہے کہ یہ بات چیف انسپکٹر آف اسکولز سے ہوئی تھی۔

اگلے ہی دن پریم چند نے عدالت دیوانی میں کلکٹر کے خلاف دعوے دائر کر دیا۔ مگر آخر کار مصالحت ہو گئی اور وہ مقدمے سے دست بردار ہو گئے۔"

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پریم چند سرکاری نوکری چھوڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

(۷)

پریم چند، بہت دن سے سرکاری نوکری سے رنجیدہ اور پریشان ہو رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنا سارا وقت صحافت اور ادبی مشغلوں میں صرف کریں۔ "زمانہ" مالی اعتبار سے اچھی حالت میں نہیں تھا۔ اور اس میں کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک موقعہ پر نگم صاحب نے تجویز پیش کی کہ پریم چند یو۔پی گورنمنٹ کے فوجی اخبار کے اردو ایڈیشن کی ایڈیٹری منظور کرلیں۔ پریم چند نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ نگم صاحب نے یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ مارواڑی اسکول میں سیکنڈ ماسٹر کی جگہ قبول کرلیں۔ مگر پریم چند کم از کم ہیڈ ماسٹری چاہتے تھے، تاکہ انھیں اپنے کاموں کے لیے بھی کچھ وقت مل سکے۔ نگم صاحب کے نام متعدد خطوط میں پریم چند نے اپنی خواہشوں اور ارادوں کا اظہار کیا ہے۔ ان خطوط سے ان کے رجحانات پر بہت روشنی پڑتی ہے۔

یو پی گورنمنٹ کے فوجی اخبار کے متعلق پریم چند نے نگم صاحب کو لکھا تھا:

" اور میں بد قسمتی سے اسے فوجی کام نہیں سمجھتا ترجمہ

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

امیدواروں کا کام ہے، جو اخبار نویسیوں سے بالکل الگ ہیں۔ مجھے اس کام سے معاف رکھیے۔"

اس سے پہلے کے ایک اور خط میں بھی انھوں نے نگم صاحب کو لکھا تھا:

"اب میں سرکاری اخبار نویس کیا بنونگا! اگر اخبار نویس بننا تقدیر میں ہے، تو غیر سرکاری، آزاد اخبار نویس بنوں گا۔ جنگ کے متعلق مضامین لکھنے کی بھی اس وقت مجھے فرصت نہیں ہے۔ بس، اسی اپنی رفتارِ قدیم پر چلوں گا۔ بی اے کر کے کسی پرائیویٹ اسکول کی ہیڈ ماسٹری اور ایک اچھے اخبار کی ایڈیٹری اور کچھ اور پبلک کام، یہی معراجِ زندگی ہے۔ اخبار مزدوروں، کسانوں کا حامی اور معاون ہوگا۔"

کافی مالی استعانت کے بغیر 'زمانہ' سے وابستہ ہو جانے سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہو لکھتے ہیں:

"آپ کہتے ہیں کہ یہ میرا صحیح مشغلہ نہیں ہے۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں، مگر اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت بھی تو نہیں ہے۔ میری عین خواہش یہ ہے کہ جو کچھ قربانی دینا پڑے، وہ میں خود اکیلا دوں گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے بچے بھی اسی چکی میں پستے رہیں۔ میں کم سے کم اپنی روٹی تو پیدا کر سکتا ہوں۔ اور میں کچھ ادبی کام بھی کر سکتا ہوں۔ یہ میری قربانی ہے۔ میں دونو

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سے نباہے جارہا ہوں، خدا سے بھی اور دنیا سے بھی، سماج سے بھی اور خود اپنی ذات سے بھی۔ میں ادبی کام کو کوئی معمولی قربانی نہیں گردانتا۔"

تقریباً اسی زمانے میں پریم چند کا لڑکا منّو چیچک کے مرض میں فوت ہو گیا۔ اس کا انھیں قلبی صدمہ ہوا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح انھوں نے اپنے جذبات پر قابو پالیا، اور اپنی بیوی کی تسلی تشفی کرتے رہے۔ خود ان کی تندرستی اچھی نہیں تھی، اور وہ خود اپنی پرچھائیں بن کر رہ گئے تھے۔

پریم چند خود اپنا پریس لگانا چاہتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی مہتاب رائے کو اس کام کا کچھ تجربہ بھی تھا۔ کیونکہ وہ مہابیر پرساد پوڈار کی ہندی پستک ایجنسی، کلکتہ میں نوکر رہے تھے۔ پریم چند کلکتہ کے ایک پریس میں پچاس فی صدر کے حصہ دار بن جانے کو تیار تھے۔ سرمایہ بھی فراہم کر لیا گیا تھا۔ مہتاب رائے کو توقع تھی کہ پریس ان کے نام میں خریدا جائے گا۔ لیکن شورانی دیوی نے اصرار کیا کہ یہ ان کے بڑے لڑکے شری پت رائے کے نام میں خریدا جائے۔ اس وجہ سے وہ پورا منصوبہ ہی غت ربود ہو گیا۔ ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ عملاً شورانی دیوی کا ذہن پریم چند کے مقابلے میں زیادہ معاملہ فہم تھا۔ اس کے بعد پریم چند بنارس میں سکونت اختیار کرنے اور وہاں پریس لگانے کی سوچنے لگے۔

گاندھی جی کی ستیہ گرہ کی تحریک جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی جا رہی تھی۔ پریم چند اس تحریک سے حد درجہ متاثر تھے۔ ۸ رفروری ۱۹۲۱ء کو گاندھی جی ملک کے طوفانی دورے کے دوران میں گورکھپور سے گزرے۔ انھوں نے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

وہاں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کی - ۱۵ جنوری کو پریم چند نے سرکاری نوکری سے استعفیٰ دیدیا - اس اہم اقدام میں انھیں شورانی دیوی کی پوری تائید حاصل تھی. وہ ان سے کہنے لگیں :

"یہ نوکری چھوڑ دیجیے گا. سرکاری نیتی اب برداشت سے باہر ہے۔"

اپنی عادۃً ہنسی میں ہنس کر بولے :

"فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچ لو!"

"میں نے خوب سوچ لیا ہے" شورانی دیوی نے جواب میں کہا "اب کہ آپ تندرست ہیں. میں جنگل میں بھی خوش رہوں گی مجھے یقین ہے اب مقدر ہمارا ساتھ دیگا -"

۱۶ فروری کو پریم چند نے نوکری کا چارج دے دیا. وہ اسی دن سرکاری مکان خالی کرکے ایک دوست کے یہاں منتقل ہو گئے. اس وقت ان کے ذہن میں مختلف تجویزیں چکر لگا رہی تھیں : پریس لگانا، ایک رسالہ جاری کرنا وغیرہ - لیکن ان میں سے ہر تجویز کے لیے سرمایہ درکار تھا - انھوں نے کپڑا بننے کا چھوٹا سا کام شروع بھی کیا، مگر اس سے ان کی تشفی نہیں ہوئی. بالآخر ۱۸ مارچ ۱۹۲۱ء کو پریم چند گورکھپور سے بنارس کے لیے روانہ ہو گئے۔

کچھ دن کے لیے وہ لمہی، میں مقیم رہے - اور گاندھی جی کے عقائد کے متعلق لکھتے اور پرچار کرتے رہے - لیکن ان کی طبیعت بے چین تھی - گھر میں ان کی سوتیلی ماں اور بیوی کے درمیان آئے دن کا جھگڑا پریم چند کے لیے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سوہانِ روح بن گیا۔ جون کے مہینے میں وہ کانپور چلے گئے۔ جہاں انھیں مارواڑی اسکول کی ہیڈ ماسٹری مل گئی تھی۔ یہاں وہ فوجی، سیاسی زندگی کے منجدھار میں کود پڑے۔ اس صورتِ حال میں انھیں خوش وخرم ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ان کے لئے اسکول کے منیجر سے نباہ کرنا مشکل ہوگیا، جو برابر ان کے کاموں میں رخنہ اندازی کرتا رہتا تھا۔ انجام کار چند مہینے بعد پریم چند ۲۲ فروری ۱۹۲۲ء کو وہاں سے مستعفی ہوکر بنارس واپس چلے گئے۔

بنارس پہنچ کر وہ گیان منڈل کا کام کرنے لگے، "مریادا" کے جاری کرنے میں معاونت کی اور "آج" کے لیے مضامین لکھے۔ کچھ دن بعد انھوں نے کاشی ودیا پیٹھ کے اسکول کے شعبے کا چارج لے لیا۔ اسی دوران میں انھوں نے اپنے لمہی کے مکان کی مرمت کرالی تاکہ وہاں رہ کر کام کرنے میں تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔ وہ اس کے علاوہ بنارس میں اپنا پریس قائم کرنے کا منصوبہ بھی پکا رہے تھے۔ جب یہ لگا تو اس کا نام سرسوتی پریس رکھا گیا۔ ان کے اپنے نام پریم چند کی طرح مطبع کا یہ نام بھی منشی دیا نرائن نے رکھا تھا۔ لیکن یہ پریس ان کے لیے ایک مستقل دردِ سر ثابت ہوا۔ انھوں نے پریس میں کافی پیسہ لگایا، اور اس کے چلانے کے لیے محنت بھی بہت کی مگر کسی وقت اس سے مطمئن نہ ہو سکے۔ کئی سال بعد انھوں نے لکھا تھا:

'یہ پریس ساری مصیبتوں کی جڑ ہے۔ خدا جانے، کس منحوس گھڑی میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ دس ہزار روپیہ اور گیارہ سال کی محنت اور جانفشانی! اور آخر میں دلشکنی! غرض

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سب کچھ رائیگاں گیا۔ اس پریس کی خاطر میں نے کئی دوستوں کی ناراضی مول لی۔ بعض کے سامنے جھوٹا بھی پڑا اور اپنا قیمتی وقت بے معنی پروف پڑھنے ـــــ میں برباد کیا۔ جو میں مطالعے اور تصنیف میں صرف کر سکتا تھا۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اس زمانے میں ان کا قلم نہایت مصروف رہا۔ اس زمانے میں انھوں نے دو ڈرامے؛ "سنگرام" اور "کربلا" اور بہت سی کہانیاں لکھیں، نیز اپنی نہایت اہم افسانوی تصنیف "رنگ بھومی" کی ابتدا کی۔ "سنگرام" کا پس منظر قومی آزادی کی تحریک ہے، اور "کربلا" کا فرقہ وارانہ فساد جس سے اس وقت پورا ملک لرز رہا تھا۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پریم چند کا عقیدہ تھا! امن و محبت کا پیغام ان کی ہر تصنیف میں موجود ہے۔ لیکن فرقہ وارنیت ایسی کالی وبا ہے جو ملک بھر میں پھیلتی جا رہی تھی اور اپنے راستے میں ہر چیز کو فنا کیے دے رہی تھی۔ نگم صاحب کے نام خطوں میں پریم چند نے اپنے سیاسی عقائد کی صراحت کی ہے۔ ۱۷ فروری ۱۹۲۳ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"آپ نے مجھ سے پوچھا ہے، میں کس پارٹی میں ہوں۔ میں کسی پارٹی میں بھی نہیں ہوں، اس لیے کہ دونوں میں سے کوئی پارٹی کچھ عملی کام نہیں کر رہی ہے۔ میں تو اس آنے والی پارٹی کا ممبر ہوں، جو عوام الناس کی سیاسی تعلیم کو اپنا دستور العمل بنائے۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اس سے پہلے کے ایک خط میں جو ۲۱ دسمبر ۱۹۱۹ء کا لکھا ہوا ہے، انھوں نے نگم صاحب کو لکھا تھا:

"میں اب قریب قریب بولشویسٹ اصولوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ ان کا اصول یا عقیدہ قومی آزادی، ملک کے دو بڑے گروہوں میں ہم آہنگی اور اتفاق اور غریب جنتا کو اقتصادی احتیاج اور مشکلات سے نجات دلانا تھا۔"

انھوں نے یکم اکتوبر ۱۹۲۲ء کو اپنے اہم ترین ناول "رنگ بھومی" پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کا اردو متن یکم اپریل ۱۹۲۴ء کو ختم ہو گیا تھا۔ لیکن "سیوا سدن" اور "پریم آشرم" کی طرح "رنگ بھومی" بھی ہندی میں پہلے شائع ہوا۔ اب رفتہ رفتہ پریم چند ہندی پر زیادہ توجہ دینے لگے تھے۔ کیونکہ اردو میں ان کی تصانیف کی اشاعت بہت سست ہو گئی تھی۔

"رنگ بھومی" کو لکھنؤ کے "گنگا پستک مالا" نے شائع کیا تھا۔ اس کا معاوضہ انھیں اٹھارہ سو روپیہ ملا تھا اس رقم سے انھیں پریس کی بعض شدید دشواریاں دور کرنے میں مدد ملی۔

بجائے اس کے کہ پریس ان کو روزی مہیا کرتا، وہ خود پریس کو کھلا رہے تھے۔ "گنگا پستک مالا" کے مالک دلارے لال بھارگو ایک ادبی مشیر کار کی تلاش میں تھے۔ پریم چند نے یہ نوکری سو روپیہ ماہوار پر منظور کر لی۔

"رنگ بھومی" کا ہیرو سور داس ہندوستانی ناول کی تاریخ میں ایک طرفہ کردار ہے۔ وہ ایک اندھا بھکاری ہے اور جانی سواریوں کے پیچھے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

دوڑتا ہوا بھیک مانگتا ہے۔ بھک منگا ہونے کے باوجود وہ حد درجہ خوددار اور فراخدل ہے، اور عوام کے حقوق کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہتا ہے۔ اس کی ذات میں مہاتما گاندھی کی کرداری خصوصیات، ہندستان کے روایتی بھکاری کے پیشے کے ساتھ جمع ہوگئی ہیں۔

لمہی میں پریم چند ایک ایسے اندھے بھکاری کو جانتے تھے، جو گاڑیوں کے پیچھے دوڑ دوڑ کر پیسا پیسا بھیک مانگا کرتا تھا۔ انھیں گورکھپور میں بھی ایک اندھا لڑکا مل گیا تھا جو گاتا بھی تھا۔ وہ سرکاری نوکری چھوڑ دینے کے بعد رات کے وقت اکثر اس اندھے لڑکے کا گانا سنا کرتے تھے۔

ان اندھے منگتوں کی یادوں پر مبنی پریم چند نے ایک ایسی شخصیت دے دی جو ہمیں ہندستان کی تاریخ کے سب سے بڑے منگتے مہاتما گاندھی کی یاد دلاتی ہے۔

"رنگ بھومی" ایسا ناول ہے جس کے تار و پود میں مختلف رنگوں کے تاگے ملتے ہیں۔ اس کا مرکزی ڈورا، اپنی ساری غریبی اور کٹھنائیوں کے ساتھ دیہاتی جنتا کا ہے۔ اس میں ایک عیسائی مسٹر جان سیوک کا خاندان بھی ہے جو گاؤں کی شاملات میں ایک سگرٹ فیکٹری لگانا چاہتا ہے۔ اس ناول میں اپنی مختلف خصوصیتوں کے ساتھ پیسے والے لوگ بھی ہیں، اپنے لالچ، طرح طرح کی خواہشوں، اور شہرت اور ناموری کے لئے دوڑ دھوپ کے ساتھ۔ پھر ریاستوں کا حصہ ہے، راجوں مہاراجوں کے جبر و استبداد سمیت ناول میں حادثات کا طوفان ہے۔ اس میں واقعات ڈرامائی تیز رفتاری کے ساتھ رونما

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہوتے ہیں۔ یوں کہیئے کہ یہ ناول ایک موجیں مارتی ہوئی ندی کی مثال ہے جو پہاڑی گھاٹیوں میں گرتی پڑتی چلی آرہی ہے؛ یہ میدانوں کو زیر آب کر دینے والی شاہانہ انداز کی ندی نہیں ہے۔

ناول کا تانا بانا البتہ ڈھیلا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں انھوں نے جو بہادرانہ کارناموں کے افسانے پڑھے تھے ان کا اثر ہنوز باقی ہے۔ مسٹر جان سیوک، معمولی داموں کے عوض میں ایک قطعہ زمین سیوک رام سے حاصل کر کے پانڈے پور میں فیکٹری کھڑی کر لیتا ہے۔ اس فیکٹری کے ساتھ بہت سی کئی خرابیاں بھی آجاتی ہیں، جیسے شراب، جُوا، فواحش، گنڈہ گردی وغیرہ۔ پہلی مرتبہ گاؤں کی عورتوں کو اجنبی لوگ خراب کرتے ہیں۔ گاؤں کے پرانے باشندے اپنے گھروں سے نکال دیئے جاتے ہیں؛ کیونکہ وہاں فیکٹری مزدوروں کے لیے کوارٹر بننا ضروری ہیں۔ سورداس اور اس کے گاؤں والوں کے ساتھ جو ناانصافی ہوئی ہے، وہ شہر میں جاکر وہاں اس کے خلاف لوگوں کے ضمیر کو بیدار کرتا ہے۔ اس سے ظالموں کے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ لیکن بالآخر سورداس اسی آگ میں جل مرتا ہے جو اس کی جھونپڑی کو بھسم کیے دے رہی ہے۔

ایک خوشگوار تحتانی موج کی طرح صوفی اور ونے کی محبت کی داستان ناول میں جاری رہتی ہے۔ صوفی، دور دراز مقامات تک ظلم اور ناانصافی کے خلاف جنگ کرتی ہوئی ونے کے پیچھے پیچھے جا پہنچتی ہے۔ ان دونوں کی محبت شدید اور ان گنت مشکلوں سے دوچار ہوتی اور آخر کار سب پر قابو پالیتی ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند قدیم تہذیب اور سماج کے افسانوں کو شیخ چلی کے ہوائی قلعوں سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ زمیندار اور کارخانہ دار، دونوں کے ظلم و جبر کے خلاف ہیں۔ لیکن انھوں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ سوشلزم کے ذریعہ سے جس میں قومی دولت کی مالک قوم ہوتی ہے، صنعتی پھیلاؤ کی خرابیوں کو دور کیا جا سکتا ہے اور مشینوں پر کنٹرول انسانی مشقت کو ہلکا بلکہ ختم بھی کر سکتا ہے۔

اس ناول کی قوت اس حقیقت کے اندر ہے کہ وہ سماجی ناانصافی کے خلاف لوگوں سے اپیل کرتا ہے۔ سورداس عوام کے ضمیر کو ظلم و جبر کے خلاف ابھارتا ہے، جس سے ظالم اور جابر لوگ عوام کے غصے کے سامنے کانپنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ونئے اور صوفی راجستھان کے عوام میں، جو آج تک ملک بھر میں سب سے مسکین طبع اور فرمانبردار علاقہ رہا تھا، بیداری کی لہر پیدا کر دیتے ہیں۔

اس ناول میں پریم چند نے ہندستان کی جو تصویر پیش کی ہے وہ نہایت جاندار اور روشن ہے۔ اس وسیع کینوس پر سماج کے تمام طبقے زندہ اور سرگرم کار ہو گئے ہیں۔ اور اس کے ذریعے درجنوں ناقابل فراموش کردار تخلیق ہو گئے ہیں۔ اس ناول سے پریم چند کو ہندستان گیر شہرت اور عظمت حاصل ہوئی۔ اور اس کے پڑھنے والوں نے ان کے سر پہ غیر سرکاری طور پر "اپنیاس سمراٹ" (شاہِ ناول نویساں) کا تاج رکھ دیا۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اس ناول میں جا بجا لمبی لمبی اخلاقی بحثیں سامنے آتی ہیں۔ جان سیوک مسز سیوک اور الیشور سیوک کے عیسائی ماحول کا بیان مخاصمانہ ہے۔ حادثے کے بعد ریل میں ونے اور صوفی کی اچانک ملاقات ہو جاتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف نے حسنِ اتفاق پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کیا ہے۔ پھر کلارک کی سیاسی ہرزہ گردی میں صوفی کیوں اس کے ساتھ رہی، یہ بات بھی بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن کہیں کہیں ایسی خامیوں کے باوجود "رنگ بھومی"، اہم ادبی تخلیق، اور ہندی ناول کی تاریخ میں ایک نشانِ راہ ہے۔ اس کے اندر شہری اور دیہاتی زندگی نہایت پرزور طریقے پر پیش کی گئی ہے۔ اس کی وسیع کینوس پریم چند کے خلاّق تخیلے کی مخلوق سے آباد ہے۔

پریم چند نے اپنی بعض بہترین کہانیاں قیام لکھنؤ کے زمانے میں لکھیں۔ جیسے "سوا سیر گیہوں" اور "شطرنج کے کھلاڑی" وغیرہ "کایا کلپ" ناول بھی جو انہوں نے لمہی میں شروع کیا تھا" اسی قیام کے دوران میں مکمل ہوا۔ یہ پہلا ناول ہے جو اولاً پریم چند نے ہندی میں لکھا۔ اس ناول پر انھوں نے ۱۰ اپریل ۱۹۲۴ء سے کام شروع کیا اور سات مہینے کے اندر اس کا پہلا حصّہ مکمل کر لیا تھا۔ پھر انھوں نے ۱۲ نومبر ۱۹۲۴ء سے اس کا دوسرا حصّہ لکھنا شروع کیا، جو بالآخر ۱۹۲۶ء میں ان کے ذاتی مطبع سے شائع ہوا۔

"کایا کلپ" میں بعض رجحانات "روحانیات" قسم کے بھی ملتے ہیں۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

مثلاً رائیڈر ہیگرڈ کی "شی" کی طرح راجکمار اور رانی دیوا پر یہ پھر سے جوان ہو جاتے ہیں۔ راجکمار پہاڑوں میں رہتا اور یوگ کی مشق کرتا ہے۔ وہ ایک ہوائی جہاز بھی ایجاد کرتا ہے۔ جو اس کی خواہش کے مطابق اڑ جاتا اور اتر آتا ہے۔ ایسے رجحانات کسی سماجی ناول کو بھی جس طرح کے ناولوں کی تکمیل میں پریم چند مصروف تھے، ناکام بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔ بہر حال "کایا کلپ" میں ایسی لغزشیں بہت کم ہیں۔ سماجی اور انسانی رجحانات کا سنجیدہ مطالعہ کرنے والوں کے لیے اس ناول میں کافی سے زیادہ مواد موجود ہے۔ آگرہ میں فرقہ وارانہ فساد ہو جاتا ہے۔ گاندھی جی کے اصولوں پر چل کر چکر دھر امن و امان بحال کر دیتا ہے۔ دیہاتی علاقوں میں زمینداروں کا جبر و تشدد زوروں پر ہے۔ عوام اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان واقعات کے تانے بانے میں منشی وجر دھر اور ان کے خاندان کا سادہ انسانی قصہ نہایت دلفریب ہے۔ باپ ایک پرانا درباری ہے، جس نے چاپلوسی اور جی حضوریت سے کام لے کر اپنی زندگی بنائی ہے۔ اس کا بیٹا عوامی اندرولن کے کام میں لگ جاتا ہے اور پھر عملی زندگی سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ایک بے ماں باپ کی لڑکی سے شادی کر لیتا ہے جو بعد کو معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً ایک تعلقہ دار کی بیٹی ہے۔ چکر دھر کا بیٹا شنکا دھر اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنے والا آدمی ہے۔

اس ناول کا سنجیدہ مقصد اس دنیا میں امن و انصاف کا سوال ہے۔ اس میں قدم قدم پر ایسے مسائل سامنے آتے ہیں، خدا نے ایسی دنیا بنائی

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہی کیوں، جس میں اتنی خود غرضی، رشک و رقابت اور ناانصافی ہے۔؟ اور کیا ایسی دنیا خلق کرنا ممکن نہیں تھا، جس میں سب آدمی، اور انسانی برادری کے سارے فرقے امن وامان کے ساتھ خوش و خرم رہ سکتے؟ یہ کیسا انصاف ہے کہ ایک تو عیش و عشرت میں بسر کرتا ہے اور دوسرا دھکے کھاتا پھرتا ہے؟ ایک قوم دوسری کو غلام بنا کر اس پر حکمرانی کرتی اور اس کا خون چوستی ہے۔ اور دوسری بھوکی مرتی اور پانوٴ تلے کچلی جارہی ہے؟ ایسی ناانصافی سے بھری دنیا خدا کی بنائی ہوئی تو ہو نہیں سکتی۔!"

اسی زمانے میں انھیں مہاراجہ الور کی طرف سے دعوت ملی کہ وہ اگر ان کی ملازمت کرلیں تو انھیں چار سو روپیہ مشاہرہ ملے گا۔ اور رہنے کو بنگلہ اور موٹر، اس کے علاوہ۔ پریم چند نے اس پیشکش کو مسترد کردیا۔

پریم چند کی روز افزوں شہرت اور مقبولیت نے بعض لوگوں کے اندر جلن اور حسد و رقابت کے جذبات پیدا کردیے۔ ایسے لوگوں میں سری اودھ اپادھیائے تھے۔ انھوں نے پریم چند پر سرقے کا الزام لگایا۔ اور چھے مہینے تک ان کے خلاف مضامین لکھتے رہے۔ انھوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ پریم چند کا فلاں کردار فلاں کا چربہ ہے، الجبرا کے سے فارمولے وضع کیے۔ ایک دوسرے جلی کٹی تنقید کرنے والے نے کہا کہ پریم چند نفرت کے مبلّغ ہیں۔

پریم چند نے اپنے مضامین کا ایک مجموعہ "قلم، تیاگ اور تلوار" کے نام سے سرسوتی پریس سے شائع کیا۔ یہ مضامین ایسے لوگوں کی مختصر

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سوانح حیات پر مبنی ہیں جنھوں نے اپنے قلم سے یا اپنی جانبازی اور قربانیوں سے زندگی کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیا۔ ان لوگوں میں رانا پرتاپ، گیری بالڈی، گوکھلے، اکبر، دویکانند، راجہ مان سنگھ اور راجہ ٹوڈر مل وغیرہ تھے۔ یہ مضامین وقتاً فوقتاً "زمانہ" میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

انھوں نے 'چاند' کا جس کا مقصد نسوانی خیر و بہبود تھا، ایک خاص مختصر کہانی نمبر مرتب کیا تھا۔ چاند کے ناشر نے پریم چند کی کہانیوں کا ایک مجموعہ بھی "پریم پرمود" کے نام سے شائع کیا تھا۔ چونکہ سرسوتی پریس خسارے میں چل رہا تھا، اس لیے انھیں پھر نوکری کی تلاش کرنا پڑی اور وہ دو سو روپے ماہانہ تنخواہ پر 'مادھوری' کے ایڈیٹر ہو کر لکھنؤ چلے گئے۔

نومبر ۱۹۲۵ء سے نومبر ۱۹۲۶ء تک ان کا نیا ناول 'نرملا' چاند میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ ان کے دوسرے ناولوں کے مقابلے میں یہ ناول بہت مختصر ہے۔ اس کا موضوع جہیز کی رسم ہے۔ جس نے ہندستانی عورت کی زندگی میں زہر گھول رکھا ہے۔ 'نرملا' کا باپ مر جاتا ہے، وہ ایک ادھیڑ عمر کے رنڈوے سے بیاہ دی جاتی ہے۔ اس کا پہلا منگیتر ایک اور لڑکی سے شادی کر لیتا ہے، کیونکہ وہ بڑے جہیز کا طلبگار تھا۔ یہ قصہ ہندو سماج کی بری رسموں اور رواج کا دردناک کچا چٹھا پیش کرتا ہے۔ چاند کے پڑھنے والوں میں، جو زیادہ تر عورتیں تھیں، یہ ناول بہت مقبول ہوا۔ 'چاند' میں "نرملا" کے قسط وار شائع ہونے کے فوراً بعد ہی اسی رسالے میں پریم چند نے ایک ناولٹ لکھنا شروع کیا۔ نام "پرتگیا" تھا۔ یہ دراصل ایک پرانے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ناول "پریما" کی ترمیم شدہ شکل تھی۔ یہ "چاند" میں جنوری ۱۹۲۷ء سے نومبر ۱۹۲۷ء تک شائع ہوتا رہا۔

پریم چند کی ایک کہانی 'مادھوری' کے جنوری ۱۹۲۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ یہ ایک مزاحیہ پارہ تھا۔ اور اس کا عنوان تھا 'موٹے رام شاستری'۔ لکھنؤ کے ایک مشہور ویدجی کو کسی نے بھکایا کہ یہ کہانی ان پر ایک طنز ہے۔ اس پر انھوں نے 'مادھوری' کے ایڈیٹر، پرنٹر، اور پبلشر کے خلاف ہتک ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کر دیا۔

عدالت میں 'چاند' کے ایڈیٹر نے اپنے بیان میں کہا کہ یہ طنزیہ کہانی کسی خاص شخص کے خلاف نہیں، بلکہ اس کا مقصد قدامت پرست اور عطائی ویدوں کے خلاف ایک عمومی تبصرہ ہے۔ اس پر مقدمہ جلدی ختم ہو گیا، حال آنکہ بعض لوگوں نے جو نولکشور پریس سے حال ہی میں برطرف کئے گئے تھے، اس واقعے کو مادھوری اور پریس کے خلاف ایک باقاعدہ جنگ کی صورت دے دینے کی کوشش بھی کی۔

پریم چند کے بیٹے امرت رائے کو اپنے والد کی سوانح عمری (قلم کا سپاہی) لکھنے کے لیے مواد فراہم کرتے وقت خوش قسمتی سے ایک ڈائری میں کچھ ایسے اندراجات مل گئے، جو پریم چند کی لکھنؤ کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے بعض اندراجات حسب ذیل ہیں:

۱۱ فروری: ہوم ارتھمیٹک (گھر یلو گنت) کا مسودہ پڑھا اور اس پر رپورٹ دی۔ مینویل گرامر کا ایک اشتہار لکھا۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

'مادھوری' سیریز" کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا۔ 'سیر کوہسار' کے دو صفحے ترجمہ کیے۔

۱۲ فروری : اتوار

۱۳ فروری: قریب تین صفحے ترجمہ کیے۔ وچار داس کو بیچک کے لیے خط لکھا۔ بک ڈپو کے کچھ اشتہاروں کی نوک پلک درست کی۔ "تھارن ان دی فلاور (پھول میں کانٹا) کے چند صفحات پر نظرِ ثانی کی۔ بھارت کتھا کوبدی کی تصویریں بلاک ڈپارٹمنٹ کو بھیجیں۔

۱۴ فروری: "تھارن ان دی فلاور" کے پندرہ صفحوں کی نظرِ ثانی کی۔ 'کہسار' کے دو صفحے ترجمہ کیے۔

ان اندراجات سے پتہ چلتا ہے کہ پریم چند "مادھوری" کی ایڈیٹری کے علاوہ نولکشور پریس کا کافی متفرق کام بھی کرتے تھے۔ اس زمانے میں مرزا محمد عسکری بھی پریم چند کے ساتھی تھے۔ انھوں نے ان سے متعلق یہ لکھا ہے:

"میں نے ان کو دو تین برس کے دوران میں ہمیشہ ہنس مکھ پایا۔ ان کا چہرہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ کبھی غصہ ان کے چہرے پر نہ دیکھا۔ کبھی کبھی میں ان سے مذاق میں کہتا تھا کہ کیوں صاحب کیا آپ کو غصہ کبھی نہیں آتا؟ کیا آپ گھر میں بھی غصہ نہیں کرتے؟ اس پر وہ ہمیشہ ہنس دیتے تھے۔ گو "مادھوری" کا دفتر

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ایک کمرے میں کوٹھے پر تھا، مگر منشی صاحب کی اور "مادھوری" کے اسٹاف کے کچھ لوگوں کی بیٹھک میرے کمرے سے لگے ہوئے ایک کمرے میں ہوتی تھی۔ اسی زمانے میں جب کہ ہر وقت کا ساتھ تھا، مجھ سے اور ان سے ملاقات بڑھی، اور مجھے ان کے مزاج کے مطالعے کا اچھا موقع ملا۔ اس زمانے میں منشی صاحب کے تمام ساتھی، جو کمرے میں بیٹھتے تھے، بیحد خوش تھے۔ ان کے قہقہوں کی آواز سے کمرا گونج جاتا تھا، اور ایک روشنی سی پھیل جاتی تھی۔ جب میں اپنی کتاب "نوادر" لکھ رہا تھا، تو اس کے لطیفے کبھی کبھی ان کو بھی سناتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مؤذّن کا لطیفہ جو اذان دیتے وقت دور بھاگتا جاتا تھا۔ اور جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا حرکت ہے، تو جواب دیا کہ اپنی اذان کی آواز میں بھی سننا چاہتا ہوں کہ دور سے کیسی معلوم ہوتی ہے۔ اس لطیفے کو سنکر منشی صاحب اتنا ہنسے کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بعض نجی معاملات میں پریم چند کو کچھ دشواریاں درپیش تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے کسی اچھے بر کی تلاش میں تھے۔ لڑکی کو زیادہ تعلیم نہیں مل سکی تھی، اس کے باوجود کہ وہ لوگ اس بات سے کافی مرعوب نظر آتے تھے کہ وہ پریم چند کی بیٹی ہے، تاہم لڑکے کے بزرگوں نے دبی زبان سے جہیز کی بات بھی چھیڑ دی۔ بہرحال شادی ہو گئی اور "لمہی" میں بخیر و خوبی انجام کو پہنچی۔

پریم چند ایک نئے ناول "غبن" پر کام کر رہے تھے جو بعد کو ۱۹۳۱ء کے شروع میں سرسوتی پریس، الہ آباد سے شائع ہوا۔ اس ناول کا موضوع بھی وہی ہے، جو پریم چند کے دل و دماغ پر محیط رہتا تھا، یعنی عورت کو زیور کا ہوکا، جو اکثر شوہر کی زندگی پر تباہ کن اثر ڈالتا ہے۔ ان کے ایک پرانے ناول "کشنا" کا بھی یہی موضوع ہے۔ ان کی بعض مختصر کہانیوں کا موضوع بھی یہی ہے۔ "سبواسدن" کی ہیروئن "سمن" اسی کمزوری کے باعث با عزت و وقار زندگی کے راستے سے بھٹک جاتی ہے۔

نگم صاحب کے نام، ایک خط میں لکھتے ہیں:

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

"میں اپنی تنخواہ اور الاؤنس میں سے کبھی کچھ پس انداز نہیں کرسکا، آپ اس کو جو نام بھی چاہیں دیں۔ "بچت" یا "آمدنی"، میں نے اپنی بیوی کے لیئے دو چوڑیاں ضرور بنوا دی ہیں، جس کی اکھیں برسوں سے آرزو تھی۔ میں نے یہ بیوی کی شکایت دور کرنے کے خیال سے کیا تھا، لیکن آج تک افسوس سے چھٹکارا نہیں پاسکا ہوں۔"

غالباً چھوٹے پیمانے پر ہی سہی، ابتدائی سالوں میں پریم چند کو بھی وہی دلخراش تجربہ ہوا، جو "سیوا سدن" میں "دشمن" کے شوہر کو اور "غبن" میں جالپا کے شوہر کو ہوا تھا۔

ناول کی ہیروئن جالپا کی شدید خواہش ہے کہ اس کے پاس ایک نیکلس ہو۔ اس کا شوہر ایک معمولی تنخواہ پانے والا کلرک ہے، ہر چند کہ اپنی بیوی کے سامنے وہ بڑا دولتمند بنتا ہے۔ بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لیئے وہ آفس میں چوری کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور پھر فرار ہو کر کلکتہ پہنچ جاتا ہے۔ جہاں ایک کنجڑا اور اس کی بیوی اسے پناہ دیتے ہیں۔ پولیس اسے ڈکیتی کے ایک جھوٹے مقدمے میں مخبر کی حیثیت سے پھانس لیتی ہے۔ اس کی بیوی اب بہت پشیمان ہے۔ وہ کلکتہ پہنچ جاتی ہے اور اپنے شوہر کو پولیس کے پھندے سے خلاصی دلاتی ہے۔ اسی دوران میں لوگوں میں پولیس کے مظالم کے خلاف ایک زبردست تحریک اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ قاری کو اس میں ایک عظیم بیداری کا احساس ہوتا ہے۔ بہت معمولی آغاز

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سے قومی زندگی کے اندر ایک طوفان بپا ہوجاتا ہے۔ جالپا جیسی لالچی اور حریص عورت بالکل بدل جاتی اور عوام کی ہیروئن بن جاتی ہے۔ یہ پریم چند کے فن کی خصوصیت ہے۔ ہمیں ان کے ادب میں انسانی فطرت کی بلندی اور بزرگی کے بارے میں یہ نقطۂ نظر بار بار ملتا ہے۔ پریم چند کی ناول نویسی کا یہ سنہرا زمانہ تھا۔ 'غبن' ۱۹۳۱ء کے اوائل میں شروع ہوا اور انھوں نے ۱۶ اپریل ۱۹۳۱ء سے ایک اور بلند پایہ ناول 'کرم بھومی' لکھنا شروع کردیا۔ یہ اگست ۱۹۳۲ میں شائع ہوا۔ پریم چند کے خطوط کے مطابق ۱۹۳۲ء ہی میں انھوں نے اپنا آخری عظیم ناول "گئودان" لکھنا شروع کردیا تھا۔ اگرچہ مختلف دشواریوں کے باعث، جن کا تعلق "ہنس" اور جاگرن سے تھا، یہ جون ۱۹۳۲ء سے پہلے شائع نہ ہوسکا۔ ایک اور ناول "منگل سوتر" جو وہ بستر علالت پر پڑے لکھ رہے تھے، ان کی قبل از وقت موت کے باعث ناتمام رہ گیا۔ 'غبن'، اور 'کرم بھومی' اور 'گئودان' کے سہ گانہ کارنامے پر کوئی ناول نویس بھی فخر کرسکتا ہے۔

'کرم بھومی'، اپنے انقلابی جوش کی بنا پر اعلیٰ پایہ کی تصنیف ہے۔ ہر طرف لوگ حرکت میں ہیں، جنھیں ٹوکنے یا روکنے والی طاقت مفقود ہے۔ شہر اور دیہات میں، پہاڑوں اور وادیوں میں ایک زلزلہ سا آگیا ہے۔ کوئی جبر و تشدد انھیں نہیں دبا سکتا۔ یہ بغاوت پر آمادہ ہندستان کی تصویر ہے۔ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ ہوچکا تھا۔ بھگت سنگھ اور چندر شیکھر آزاد جیسے ہیرو میدان میں اتر آئے تھے۔ جواہر لال نہرو نے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

لاہور کانگریس کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا: "میں ریپبلکن اور سوشلسٹ ہوں"

'کرم بھومی'، میں اس ہلا دینے والے وقت کی گونج بار بار سنائی دیتی ہے۔

گورکی کی تصنیف "ماں" کی طرح یہ ناول بھی بتاتا ہے کہ انقلاب کس طرح

آتا ہے۔

اس ناول میں ہمارے سامنے سے حیرت ناک کرداروں کا ایک سلسلہ

گذر جاتا ہے ــــ امرکانت، سمرکانت، سکینہ، سُکھدا، پٹھانن، اور

منّی۔ امرکانت اور سمرکانت قاری کو دونوں نہروؤں کی یاد دلاتے ہیں۔

مُنّی، پٹھانن، سکینہ، اور سمرکانت کو حالات نے کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔

سماج کو خون اور آگ کے غسل پوتر بنا دیتے ہیں۔

ہڑتال کا نعرہ لگاتے ہوئے لالہ سمرکانت نے موجودہ حالات

کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

"ہاں، ہڑتال ضرور ہوگی، مگر ایک دو دن کے لیے نہیں!

یہ ہڑتال اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک ہمارے

حاکم ہماری آواز نہیں سن لیتے۔ ہم مفلس اور کنگال ہیں،

بے سہارا ہیں، اور غموں کے مارے ہیں۔ لیکن یہ بڑے

لوگ اگر ٹھنڈے دل سے سوچ سکتے تو ان کو نظر آجاتا

کہ انھیں بڑا آدمی ان غریبوں ہی نے بنایا ہے۔ یہ عالیشان

محل بنانے میں کس نے اپنی جانیں جوکھم میں ڈالیں؟ یہ کپڑا

ملیں کون چلا رہا ہے؟ ان کے دروازوں پر ہر صبح دودھ

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

اور مکھن کون پہنچاتا ہے؟ ان بڑے آدمیوں کے ناشتے کے لیے مٹھائیاں اور پھل کون لاتا ہے۔؟ صفائی کون کرتا ہے اور ان کے گندے کپڑے کون دھوتا ہے۔؟ ہر صبح ان کی ڈاک اور اخبار کون پہنچاتا ہے؟ شہر کی تین چوتھائی آبادی، ایک چوتھائی کے آرام کے لیے ہر وقت اپنا خون پسینہ ایک کر رہی ہے—!"

اس ناول کو ہم پانچ ایکٹ کا ایک، دردناک ڈراما بھی کہہ سکتے ہیں۔ (۱) شہر کی تصویر، (۲) ایک پہاڑی گانو کی زندگی، (۳) بغاوت (۴) پہاڑی گانو کی جنتا، (۵) انجام: بغاوت اور کامرانی!

اس ناول میں گاندھی جی کے گہرے اثر کی چھاپ ہر جگہ نظر آتی ہے۔ عدم تشدد پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک باغیانہ رجحان بھی ہے۔ جو کسی صورت مصالحت پر رضامند نہیں ہو سکتا۔ جنتا اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ اور اس نے اپنا مقسوم خود اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اور اب انھیں کوئی طاقت آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی۔ کئی اعتبار سے پریم چند کے تمام ناولوں میں سے یہ ناول ان کی کہنہ مشقی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں سماجی ناانصافی کے خلاف انقلاب کا مظاہرہ ملتا ہے۔ "گئودان" کے کاشتکار ہیرو کے کردار نے اُس تصنیف کو ادبی نقطۂ نظر سے نہایت گراں قدر بنا دیا ہے۔ لیکن وہ انقلابی مزاج اور جوش کے اعتبار سے "کرم بھومی" سے برتر نہیں ہے۔ "ہوری" کا

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

مقابلہ صرف 'سورداس' سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن "کرم
بھومی" میں ہمارے سامنے انقلابی کرداروں کی ایک لمبی قطار
آجاتی ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

(۱۰)

پریم چند کی زندگی کے آخری چند سالوں میں، جبنیندر، انھیں بہت اچھی طرح جاننے لگے تھے۔ ان کی اور پریم چند کی پہلی ملاقات لکھنؤ میں ہوئی تھی، جب وہ امین الدولہ پارک کے قریب ہی ٹھیرے ہوئے تھے۔ جینیندر نے اس ملاقات کا ذکر اپنی یادداشت میں یوں کیا ہے:

"زینے کے نیچے سے جھانکنے پر مجھے جو کچھ اوپر نظر آیا، اس سے مجھے بہت دھکّا لگا۔ جو شخص اوپر کھڑے تھے، ان کی بڑی گھنی مونچھیں تھیں، پانچ روپے والی لال املی کی چادر اوڑھے تھے، جو کافی پرانی اور چکنی تھی۔ بالوں نے آگے آکر ماتھے کو کچھ ڈھک سا لیا تھا۔ ماتھا چھوٹا معلوم دیتا تھا۔ سر ضرورت سے چھوٹا دکھائی دیا۔ معمولی دھوتی پہنے تھے جو گھٹنوں سے ذرا نیچے تک آگئی تھی۔ آنکھوں میں خماری بھری دیکھی۔ میں نے جان لیا کہ پریم چند یہی ہیں۔ اس نتیجے سے بچنے کا موقع نہ تھا۔ پران کو یہی پریم چند جان کر میرے من کو کچھ سکھ اس سمے نہیں ہو۔ کیا جیتے جی پریم چند ان کو ہی

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ماننا ہوگا؟ اتنی دور سے، اتنی امید باندھ کر کیا اسی مورتی کے درشن کرنے میں آیا ہوں؟ ایک بار تو من میں آیا کہ اپنے من کے اصلی تصور کو قائم رکھنے کے لیے یہاں سے کیوں نہ لوٹ جاؤں! پریم چند کے نام پر یہ میرے سامنے کھڑا شخص اتنا معمولی، اتنا چھوٹا، اتنا دیہاتی معلوم ہوا کہ.... اتنے میں اس شخص نے پھر کہا:

"آؤ، بھائی، آجاؤ۔"

میں ایک ہاتھ میں بکس اٹھائے زینے پر جو چڑھنے لگا، تو اس شخص نے جھٹ پٹ آکر اس بکس کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہا۔ بکس تو خیر میں نے چھننے نہ دیا، لیکن تب وہ اور دو ایک چھوٹی موٹی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں تھام کر زینے سے مجھے اوپر لے گئے۔ مجھے مکان میں دیکھ بھال کی کمی محسوس ہوئی۔ آنگن میں پانی بغیر مقصد کے پھیلا ہوا تھا۔ چیزیں بھی ٹھیک اپنی اپنی جگہ پر نہیں تھیں۔ پہلی نگاہ ہی میں جو کچھ دیکھا دیکھ سکا۔ آگے تو میری نگاہ ان باتوں کو دیکھنے کے لیے خالی ہی نہیں رہی۔ تھوڑی ہی دیر میں بھول گیا کہ یہ ذرا بھی پرائی جگہ ہے۔ میری تنقیدی نگاہ دھندلا گئی، بلکہ سو گئی۔

سب کام چھوڑ کر پریم چند جی مجھے لیکر بیٹھ گئے۔ سات بج گئے، ساڑھے سات بج گئے، آٹھ ہونے آئے، باتوں کا سلسلہ ٹوٹتا

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہی نہ تھا۔ اس دوران میں، میں بہت کچھ بھول گیا۔ یہ بھی بھول گیا کہ یہ پریم چند — ہندی ادب کے بادشاہ۔ یہ بھی بھول گیا کہ اسی ادب کے سمندر کے ساحل پر کھڑا میں ایک حیرت زدہ بچہ ہوں۔ یہ بھی بھول گیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے اس شخص کو دیکھ کر مایوسی اور نفرت سی ہو گئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں سب کچھ بھول گیا، اور اس کی جگہ گہرے خلوص اور اپنایت نے لے لی۔"

مارچ ۱۹۳۰ء میں پریم چند نے گاندھی جی کے ڈانڈی مارچ سے ٹھیک دو ہفتے پہلے کہانیوں کا ایک رسالہ 'ہنس' کے نام سے جاری کیا تھا۔ وہ نگم صاحب کو لکھتے ہیں:

"میں پھاگن یعنی نئے سال سے ایک ہندی رسالہ 'ہنس' نکالنے والا ہوں۔ ۶۴ صفحات کا ہوگا، اور زیادہ تر افسانوں سے تعلق رکھے گا۔ ہے تو حماقت ہی، دردِ سر بہت اور نفع کچھ نہیں، لیکن حماقت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ زندگی حماقتوں میں گذر گئی؛ ایک اور سہی۔"

'ہنس' کا اداریہ سیاسی موضوع پر ہوا کرتا تھا۔ اس لیے اسے ایک نہ ایک دن طوفانی موسم سے دوچار تو ہونا ہی تھا۔ پریس کو ایک ہزار روپیہ ضمانت داخل کرنے کا حکمنامہ آگیا۔ اس پر پریم چند نے 'ہنس' اور پریس دونوں کو بند کر دینے کا فیصلہ کیا۔ نومبر میں شورانی دیوی بدیسی کپڑے کے بائیکاٹ میں پکیٹنگ کرتے ہوئے گرفتار ہو گئیں اور انھیں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

دو مہینے کی سزا ہو گئی۔

اپنی طبع اور مزاج کے اعتبار سے پریم چند گھر گھسنے قسم کے آدمی تھے عمر کے آخری حصے میں انھوں نے سیر و سیاحت کرنا شروع کی جس سے انھیں وسیع اور مختلف قسم کے تجربات حاصل ہوئے۔ وہ دہلی گئے اور کوئی دس دن تک جینیندر کے مہمان رہے۔ وہاں سے وہ پٹنہ گئے مگر یہاں استقبالیہ کمیٹی ان کو پہچان تک نہ سکی جس سے رات انھیں ریلوے اسٹیشن پر کاٹنا پڑی وہ واپسی کی سوچ ہی رہے تھے کہ میزبانوں نے انھیں ڈھونڈ نکالا۔

یہی زمانہ ہے، جب پریم چند کی کہانیوں کا مجموعہ "سمر یاترا" شائع ہوا۔ ان کہانیوں میں ۱۹۳۰ء کے ہندستان کے جوش و ہیجان، اور حرکت و عمل اور امنگوں کا بہت واضح نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

نولکشور پریس کے مالک کے انتقال کے فوراً بعد پریم چند نے پریس سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ چونکہ سارا کاروبار "کورٹ آف وارڈس" کے انتظام میں چلا گیا تھا، پریم چند کو ان نئے مالکوں سے جو نگراں اور منتظم مقرر ہوئے تھے، نباہ کرنا مشکل نظر آرہا تھا۔ وسطِ مئی ۱۹۳۱ء میں وہ بنارس واپس آگئے۔ ان کا قیام تو لمہی میں رہا، لیکن پریس کی نگرانی کے لیے وہ روزانہ شہر جایا کرتے تھے۔

پریم چند نے نود شنکر ویاس کا ہندی اخبار "جاگرن" خرید لیا۔ جس سے ان کی مشکلات میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہ پندرہ روزہ پرچہ تھا، لیکن اس کے کُل دو سو خریدار تھے۔ پریم چند نے اسے پندرہ روزہ کے بدلے ہفتہ وار

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بنا دیا۔ ان کی ایڈیٹری میں اس کا پہلا پرچہ ۲۲ر اگست کو نکلا تھا۔ اس کے مقاصد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہماری کوشش یہ ہوگی کہ اس بچے کو نڈر، سچا، محنتی، تندرست اور سمجھ دار آدمی بنادیں۔ جو عزت سے اپنا سر اونچا رکھ سکے۔ وہ کسی کی خوشامد نہیں کریگا، مگر تہذیب اور تمیز کے دائرے سے باہر کبھی نہیں جائیگا۔ کبھی کبھی اسے کڑوی باتیں بھی کہنا پڑیں گی، مگر وہ خدمتِ عوام کے جذبے کے تحت ہونگی۔"

"ہنس" اور "جاگرن" کے کاروبار میں پریم چند کو جو مالی نقصان اٹھانا پڑے، اس نے مالی اعتبار سے ان کی کمر توڑ دی۔ اب ان کا دھیان فلمی دنیا کی طرف گیا۔ "سیوا سدن" پر مبنی ایک فلم کے معاوضے میں انھیں ساڑھے سات سو روپے ملے تھے۔ اب ان کو فلم کے سینیریو لکھنے کے لیے یکمشت ادائی کے اصول پر بمبئی بلایا جارہا تھا۔ اجنتا سائین ٹون کمپنی نے انھیں آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی پیشکش کی، جس کے عوض انھیں سال میں چھ کہانیاں دینا تھیں۔ جنیندر کو لکھتے ہیں:

"بمبئی کی ایک فلم کمپنی مجھے بلارہی ہے۔ تنخواہ کی بات نہیں، کنٹریکٹ کی بات ہے، آٹھ ہزار روپے سال میں۔ میں اس حالت پر پہنچ گیا ہوں، جب مرے لیے "ہاں" کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ یا تو وہاں چلا جاؤں، یا اپنے ناول کو بازار میں فروخت

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کروں۔ اس بارے میں تمہاری رائے جاننا ضروری سمجھتا ہوں۔ کمپنی والے حاضری کی کوئی قید نہیں رکھتے۔ میں جو چاہے لکھوں، جہاں چاہے لکھوں، ان کے لیے چار پانچ سینیریو تیار کردوں۔ میں سوچتا ہوں، کیوں نا ایک سال کے لیے چلا جاؤں۔ وہاں سال بھر رہنے کے بعد کچھ ایسا کنٹرکٹ کرلونگا کہ میں یہیں بیٹھے بیٹھے تین چار کہانیاں لکھ دیا کروں، چار پانچ ہزار روپے مل جایا کریں۔ اس سے "جاگرن" اور "ہنس" دونوں مزے سے چلیں گے، اور پیسوں کی تکلیف ختم ہو جائیگی۔"

بہر حال "جاگرن" کو مئی ۱۹۳۴ء میں بند کر دینا پڑا۔ مئی کے آخر میں وہ بمبئی چلے گئے۔ چند ہفتے بعد وہ جاگرن سوشلسٹ اخبار کی صورت میں سمپورنا نند کی ایڈیٹری میں پھر جاری ہو گیا اس کی طباعت اور اشاعت اب بھی سرسوتی پریس ہی سے ہوتی تھی۔

بمبئی میں پریم چند کو خاندان سے جدائی شاق گزرنے لگی وہ گھریلو زندگی کے عادی ہو گئے تھے، اس لیے گھر چھوڑنے پر متاسف بھی تھے۔ ان کے دونوں لڑکوں کو کائستھ پاٹھ شالہ الہ آباد میں داخلہ مل گیا تھا۔ جیسے ہی ان کو کوئی مکان مل جاتا شورانی دیوی ان کے پاس بمبئی جانے کا سوچ رہی تھیں۔ شورانی دیوی کو لکھتے ہیں :

"میں ۳۱ تاریخ کو یہاں پہنچا تھا؛ اور جبھی سے ایک دوست کا مہمان ہوں۔ میں نے یہاں کئی مکان دیکھے ہیں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ایک تین کمرے کے مکان کا کرایہ پچاس روپیہ ہے، اور پانچ کمرے مکان کا کرایہ پچھتر روپیہ ماہوار ہے۔ میں نے ابھی کچھ طے نہیں کیا ہے۔ مگر اگلے دو ایک روز میں انتظام کر لوں گا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے یہاں ٹکنا بھی ہے یا نہیں۔"

اس کے چند روز بعد انھوں نے جلنیندر کو لکھا:

"میں نے مکان لے لیا ہے۔ دادر میں ہوٹل میں کھانا کھاتا ہوں، اور پڑا ہوں۔ یہاں دنیا دوسری ہے۔ یہاں کی کسوٹی دوسری ہے۔ ابھی تو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس موضوع کی کتابیں پڑھ رہا ہوں۔ لکھا کچھ نہیں۔ جولائی میں گھر کے لوگ دھنو کو چھوڑ کر آجائیں گے۔ سال بھر کسی طرح کاٹونگا، آگے دیکھا جائیگا۔"

۲۳ جولائی کو وہ بنارس پہنچے اور ۳۱ کو بمبئی واپس آگئے۔ پریم چند 'مزدور' نامی فلم کے مکالمے لکھ رہے تھے۔ افسانے کا ڈھانچا مالک کمپنی نے خود تیار کیا تھا۔ پریم چند کا کام اس پر گوشت پوست چڑھا دینا تھا۔ اس فلم میں ایک وطن پرست فیکٹری مالک کو پیش کیا گیا تھا۔ مگر فلم سینسر بورڈ کو اتنی سی بات بھی پسند نہ آئی۔ بہر حال یہ پکچر پنجاب، دہلی، یوپی اور سی پی میں دکھائی گئی تھی۔ اس فلم نے مزدور طبقے میں ایسی ہلچل پیدا کر دی کہ پولیس طلب کرنا پڑی تھی۔ بالآخر حکومتِ ہند نے اس کی نمائش ممنوع قرار دے دی۔

چند لمحوں کے لیے پریم چند خود بھی اس فلم میں نظر آتے ہیں فیکٹری

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کے مالک اور مزدوروں میں کچھ اختلاف ہو جاتا ہے اور وہ بحیثیت پنچ سامنے آتے ہیں۔ اس دوران میں خود ان کے پریس میں حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ تین مہینوں سے نوکروں کو تنخواہ نہیں ملی تھی۔ مینیجر کا مزدوروں کے ساتھ برتاؤ اچھا نہیں تھا۔ اس پر انھوں نے ہڑتال کر دی۔

قیام بمبئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پریم چند نے دکھنی علاقوں کا دورہ کیا۔ دکھشن بھارت ہندی پرچار سمیتی کی دعوت پر انھوں نے کانووکیشن کو خطاب کیا۔ وہ ۲۸ دسمبر کو مدراس پہنچے وہاں چند روز ٹھہرنے کے بعد وہ میسور اور بنگلور چلے گئے۔

اب فلمی دنیا میں ان کے قیام کی میعاد ختم ہو رہی تھی۔ وہ وہاں خوش نہیں رہ سکے۔ وہ چاہتے تھے کہ فن کا مقصود کردار کو بلند کرنا ہو، لیکن فلم ساز اسے صرف تفریح و تفنّن تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ جینندر کو لکھتے ہیں:

"جن ارادوں سے یہاں آیا تھا، ان میں سے ایک بھی پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ پروڈیوسر جس ڈھنگ کی کہانیاں بناتے آئے ہیں، وہ اس لیک سے جو بھر بھی نہیں ہٹ سکتے۔ بیہودگی ان کے نزدیک تفریح کا دوسرا نام ہے۔ دور از کار باتوں پر ان کا اعتقاد ہے۔ راجے، رانیاں، اور ان کے منتریوں کی سازشیں، نقلی لڑائیاں اور چوما چاٹی ان کے بنیادی ہتھیار ہیں۔ میں نے ایسی سماجک کہانیاں لکھی ہیں، جنھیں پڑھا لکھا طبقہ بھی دیکھنا

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پسند کریگا۔ لیکن یہ لوگ ان کو فلمانے سے ہچکچا رہے ہیں کہ شاید یہ چلیں، نہ چلیں۔"

۴ اپریل ۱۹۳۵ء کو پریم چند نے فلمی دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"میرا تصفیہ ہو گیا ہے۔ میں ۲۵ تاریخ کو بنارس اپنے وطن جا رہا ہوں۔ اجنتا اپنا کاروبار بند کر رہی ہے۔"

وہ اپنا اقرارنامہ ختم ہونے سے تین مہینے پہلے ہی چلے آئے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں انھوں نے سینما کی اس وقت کی جو حالت تھی، اس پر سخت اظہار ناپسندیدگی کیا ہے۔ ادب اور سینما کے مقاصد کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ادب جمہور کے ذوق کی رہنمائی کرتا ہے، اس کا مقلد نہیں بنتا۔ سینما البتہ پسندِ عام کی تقلید کرتا ہے، عوام جس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ انھیں مہیا کرتا ہے۔ ادب ہمارا جمالیاتی احساس بیدار کرتا اور ہمیں انبساط بخشتا ہے۔ سینما حیوانی جذبات کو اکساتا اور ہمیں مخبوط الحواس بناتا ہے۔ فلم ساز کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جب تک کسی چیز کی مانگ موجود ہے وہ بازار میں آتی رہے گی۔ اسے کوئی شخص روک نہیں سکتا۔ وہ وقت ابھی بہت دور ہے، جب سینما اور ادب کی ہیئت ایک سی ہو گی۔ جب عام مذاق اتنا پاکیزہ اور ستھرا ہو جائے گا کہ وہ

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہر اس بات سے نفرت کرنے لگے جو اسے پستی کی طرف لے جاتی

ہے، اس وقت سینما بھی خود بخود اسی پاکیزہ مذاق کا ہو جائیگا،

جیسا ادب کا مذاق ہے۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

(۱۱)

بمبئی کا قیام پریم چند کے لیے کسی غیر معمولی مالی منفعت کا باعث نہیں ثابت ہوا۔ ایک خط میں جنیندر کو اپنا چٹھا اس طرح پیش کیا ہے:

"میں بمبئی سے کیا لایا۔ مجھے ۶۳۰۰ روپے ملے۔ اس میں سے ۱۵۰۰ روپے لڑکوں نے لے لیے، ۴۰۰ لڑکی نے؛ اور ۵۰۰ پریس نے۔ دس مہینے بمبئی کا خرچ کفایت سے ۲۵۰۰ سے کم نہ ہو سکا۔ وہاں سے ۱۴۰۰ روپے لے کر اپنا سا منہ لیے چلے آئے۔"

'جاگرن' نے کافی رقم کھائی تھی اور بالآخر اسے بند کر دینا پڑا تھا۔ 'ہنس' بھی ڈگمگا رہا تھا۔ پریم چند سوچنے لگے کہ چھاپہ خانہ اور ہنس الٰہ آباد لے جائیں۔ لیکن وہ اس پر عمل نہیں کر سکے۔ بالآخر انھوں نے 'ہنس' کو بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے سپرد کر دیا، اور کے۔ ایم منشی کے ساتھ اس کے مشترک ایڈیٹر بن گئے۔ بایں ہمہ مالی دشواریاں جوں کی توں برقرار رہیں۔

اپنی زندگی کے آخری زمانے میں پریم چند نے ہندستان میں کافی سفر کیے۔ ان کی مستعدی گویا اچانک بھڑک اٹھی ہو۔ یہ آخری ٹمٹماہٹ تھی۔ جب اور

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

جہاں سے بھی کوئی دعوت آئی، انھوں نے اسے رد نہیں کیا؛ اور ہر جگہ گئے بھی: الٰہ آباد، بہار میں پورنیا، لکھنؤ، دلّی، لاہور۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آخری الوداع سے پہلے وہ اپنے وطن کی سرزمین کو زیادہ سے زیادہ دیکھ لینا چاہتے تھے۔

ہندستان اکیڈیمی کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے وہ الٰہ آباد گئے۔ یہاں ان کی ملاقات بعض ترقی پسند مصنفین سے ہوئی۔ پریم چند نے انھیں کامیابی کی دعائیں دیں۔ وہ خود ایک ہندستانی سبھا قائم کرکے اس کے ذریعے اردو اور ہندی کے اہلِ قلم کو ایک دوسرے کے نزدیک لانا چاہتے تھے۔ جینیندر کی مدد سے دلّی اور لاہور میں اس کی شاخیں بھی قائم کی جانے والی تھیں۔ پھر وہ ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کی صدارت کے لیے لکھنؤ گئے۔ یہ کانفرنس ۹ اور ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو منعقد ہوئی تھی۔ اس اجلاس سے پہلے ہی جنوری کے مہینے میں پریم چند نے اس کا خیر مقدم کیا اور کہا تھا:

"ہمیں یہ جان کر واقعی بہت خوشی ہوئی کہ ہمارا تعلیم یافتہ اور ذی ہوش جواں سال طبقہ ادب میں نئی قوت اور بیداری لانا چاہتا ہے۔ ہندستان کی انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد لندن میں اسی نقطۂ نظر سے رکھی گئی تھی۔ اور اس کا جو منشور انھوں نے ہمیں بھیجا ہے اس سے یہ امید بندھتی ہے کہ اگر یہ انجمن اپنے مجوّزہ راستے پر چلتی رہی تو اس سے ہمارے ادب میں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔"

ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس میں پریم چند نے اعلان کیا:

"مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ میں اور چیزوں کی طرح آرٹ کو بھی افادیت کی میزان پر تولتا ہوں۔

... ہمیں حسن کا معیار تبدیل کرنا ہوگا... آرٹ نام تھا اور ہے محدود صورت پرستی کا... زندگی کا کوئی آئیڈیل نہیں، زندگی کا کوئی اونچا مقصد نہیں۔

ادب کے مندر میں ایسے لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، جو دولت کے پجاری ہیں۔ یہاں صرف ایسے پجاریوں کی ضرورت ہے، جو زندگی میں صرف خدمتِ خلق کو اعلیٰ و برتر مقام دیتے ہیں، جن کے دل دردمند ہیں اور جن کے اندر محبت کی بخشی ہوئی قوت ہے۔"

انھوں نے مزید کہا:

"ہم سپاہی ہیں اور سماج کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں۔"

لکھنؤ سے پریم چند لاہور گئے، جہاں آریہ پرتی ندھی سبھا کی طرف سے ان کا بڑا شاندار اور پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ وہاں انھوں نے متعدد جلسوں میں شرکت کی اور اپنی تقریروں میں اردو، اور ہندی کو ایک دوسرے کے قریب لانے پر بہت زور دیا۔ لاہور سے وہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس میں شرکت کے لیے ناگپور گئے اس اجلاس میں گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو دونوں شریک ہوئے تھے۔ لیکن اس

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بات پر شدید اختلاف رہا کہ پریشد کی کارروائی ہندی میں ہو یا اردو میں۔ اور جب گاندھی جی نے ہندی ہندستان کی تجویز رکھی، تو مولوی عبدالحق اچانک اٹھ کر جلسے سے چلے گئے۔

بمبئی سے واپس آکر پریم چند نے اپنی تمام توجہ "گئودان" کی تکمیل پر مرکوز کر دی، اور اسے مکمل کر لینے کے بعد ہی وہ ملھی سے نکلے۔ ہر چند کئی باتیں مخل ہوتی رہیں: کانفرنسیں، جلسے، دورے، اِدھر اُدھر جانا آنا۔ یہ ناول اواخر مئی ۱۹۳۶ء میں پریس سے باہر آیا۔

ایک ادیب کی حیثیت سے 'گئودان' پریم چند کے فن کی انتہا اور معراج ہے، گویا ان کی جملہ تصانیف "گئودان" کے نقطۂ عروج تک پہنچنے کی سیڑھیاں تھیں۔ اس ناول میں انھوں نے زمینداری اور صنعت کاری دونوں کی خرابیوں پر کاری ضرب لگائی ہے۔ کھیت ہو یا کارخانہ، محنت کش مزدور ہر جگہ نزع کی سی اذیت برداشت کرتا ہے۔ "گئودان" میں پریم چند نے ہندستان کے ابتلا و آلام اس کے ہیرو 'ہوری' کی ذات میں مجسّم کر دیے ہیں۔ 'ہوری' ہی ہندستان ہے، جو صدیوں سے جبر و ظلم سہتے رہنے کے باوجود اپنا بنیادی تشخّص زندہ رکھ سکا ہے، اور اس کی وسعتِ قلب و نظر بھی برقرار رہی ہے۔ اس ناول کے بعض دوسرے کردار جیسے گوبر، دھنیا، جھُنیا، مہتہ، مالتی بھی بہت اہم ہیں۔ اور یہ کردار دیہاتی اور شہری دونوں خطوں سے لیے گئے ہیں۔ جہاں استحصالِ مشقت لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا جا رہا ہے۔ یہ کردار شر اور بدی کی مزاحمت کرتے اور دنیا کو بدل دینا

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

چاہتے ہیں اور اس عمل میں وہ خود بھی بدلتے جا رہے ہیں۔ اور اشرف تر انسان اور بھی زیادہ باغی بنتے جا رہے ہیں۔

ہندستانی ناول نویسی کی تاریخ میں "گئودان" سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہندستان بھر میں دیہاتی دنیا کی تصویر بنانے میں ان سے بڑا استاد کوئی نہیں گزرا ہے۔ یہ ایک داہیک (؟) طول و عرض کی تصویر ہے۔ اور اس کے معمولی دیہاتی کردار ہمارے سامنے رزمیہ کرداروں کی سی شان و عظمت اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی اس تصنیف کو سماج وادی جھکاؤ دے کر ہمارے سامنے ایک ایسی دنیا پیش کرتے ہیں جس میں نہ استحصال ہوگا، نہ بپتا اور مصیبت۔ ناول کے خاتمے کے قریب 'ہوری' ایک ایسی ہی دنیا بسانے کی کوشش کرتا انتقال کر جاتا ہے۔

"گئودان" تین سال کی محنت میں مکمل ہوا تھا۔ اس کی ابتدا ۱۹۳۲ء میں ہوئی تھی۔ اس دوران میں وہ کہانیاں، مضامین، اور اداریے بھی لکھتے رہے تھے۔ یوں بھی اس زمانے میں ان کی زندگی بڑی مصروف رہی۔ جلسوں میں شریک ہونا، کانفرنسوں میں جانا، سفر کرنا برابر جاری رہا۔ اب ان کی صحت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ وہ مزمن پیچش کے مرض میں مہوبا کے قیام کے زمانے سے مبتلا تھے۔ اور اب انھیں پیٹ میں ناسور اور جلندھر کی بیماریاں لاحق ہو گئی تھیں۔

۱۶ جون کو انھیں کئی بار قے ہوئی، اور خون کے دست آئے؛ اطرافِ شکم میں شدید درد کی شکایت بھی رہی۔ یہ بیماری جان لیوا ثابت

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہوئی۔ ۱۹ جون کو "آج" کے دفتر میں گورکی کی موت پر تعزیتی جلسہ ہوا۔ بیماری کے باوجود پریم چند جلسے میں شریک ہوئے۔ اور انھوں نے اس کے لیے ایک خطبہ بھی لکھا۔ دو بجے رات شورانی دیوی کی آنکھ کھلی، تو انھوں نے دیکھا کہ پریم چند لکھ رہے ہیں۔ انھوں نے احتجاج کیا تو پریم چند نے جواب میں کہا: "کیا کروں، نیند نہیں آرہی ہے، اور یہ خطبہ تو مجھے لکھنا ہی تھا۔" جلسے میں پہنچے، تو ان کی نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ وہ یہ خطبہ خود نہیں پڑھ سکے، کسی دوسرے نے پڑھ کر سنایا۔

۲۵ مئی رات میں ان کی حالت زیادہ خراب ہوگئی۔ انھوں نے گرمی کی شکایت کی اور اپنے بیٹے سے پنکھا جھلنے کو کہا۔ اس وقت انھوں نے پھر خون کی قے کی۔ شورانی دوڑی ہوئی آئیں تو پریم چند نے کہا: "رانی، میں جا رہا ہوں!" ۲۵ تاریخ کے بعد سے وہ کسی دن اچھی طرح سو نہیں سکے۔ دوسری بیماریاں بھی پیچیدگیاں پیدا کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہ ایک نئے ناول "منگل سوتر" پر کام کرنے کی سوچتے رہے، جو نامکمّل رہ گیا۔

۲ اگست کو وہ اپنے بڑے لڑکے کے ساتھ ایکسرے کرانے کے لیے لکھنؤ گئے۔ اس سے چند ہی روز قبل انھوں نے اختر حسین رائے پوری کے نام ایک خط میں اپنی حالت بیان کی ہے:

"اب میرا قصہ سنو۔ میں قریب ایک ماہ سے بیمار ہوں۔ معدے میں گاسٹرک السر کی شکایت ہے۔ منھ سے خون آجاتا

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ہے۔ اس لیے کوئی کام نہیں کرتا۔ دوا کر رہا ہوں، مگر ابھی تک کوئی افاقہ نہیں۔ اگر بچ گیا، تو بیسویں صدی نام کا رسالہ آپ لوگوں کے خیالات کی اشاعت کے لیے ضرور نکالوں گا۔"

لکھنؤ میں علاج سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ پریم چند نے بنارس واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہ بس ایک ڈھانچا رہ گئے تھے۔ انھوں نے شورانی دیوی سے کہا: "میں اب نہیں بچنے کا، جلندھر ہے۔!"

وہ اب رام کٹورے میں ایک نئے اور نسبتاً زیادہ ہوادار مکان میں منتقل ہو گئے۔ یہ مکان کسی زمانے میں بھارتیندو ہریش چندر کا بنگلہ رہا تھا۔ ان آخری دنوں میں پریم چند کے ادبی دوست ان پر اپنی محبت کی بارش کرتے رہے۔ جنیندر آخر وقت تک ان کے پاس رہے۔ منشی دیا نرائن نگم انھیں دیکھنے کو کانپور سے دوڑے آئے۔ پرشاد، نند دلارے واجپئی، پنڈت رام نریش ترپاٹھی اور نرالا، سب ہی انھیں دیکھنے آئے تھے۔

ان کے آخری دنوں میں "ہنس" کو ایک ہزار روپیہ کی ضمانت داخل کرنے کا نوٹس ملا۔ حکومت کو ایک ڈرامے کی اشاعت پر اعتراض تھا جو سیٹھ گوبند داس کی تصنیف تھا۔ بھارتیہ پریشد نے 'ہنس' کے بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا بلکہ پریم چند کے دستخطوں کے ساتھ اس کا اعلان بھی ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق جب انھوں نے گاندھی جی کو لکھا تو جواب آیا کہ اگر پریم چند چاہیں، تو وہ 'ہنس' کو جاری رکھ سکتے ہیں۔" پریم چند نے رسالے کا چارج خود لے لیا اور ضمانت کی رقم داخل کر دی گئی۔ اس وقت

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

انھوں نے شورانی سے کہا :

" رانی ! مہربانی کر کے ضمانت داخل کر دو، میں مروں یا جیوں 'ہنس' برابر جاری رہنا چاہیے۔ اگر میں اچھا ہو گیا، تو سارے انتظامات خود کر لوں گا ؛ اور اگر مر گیا تو 'ہنس' میری یادگار ہو گا۔"

'ہنس' کے ستمبر کے شمارے میں، ان کا مضمون 'مہاجنی سبھیتا' شائع ہوا۔ اس مضمون کو ان کی ادبی وصیت اور ایک عہد نامہ سمجھنا چاہیے۔

جینندر نے ۷ اکتوبر کی رات کا حال لکھا ہے، جو پریم چند کی اس دنیا میں آخری رات تھی :

" موت سے پہلی رات کو میں ان کی کھٹیا کے برابر بیٹھا تھا۔ سویرے سات بجے انھیں اس دنیا پر آنکھ میچ لینی تھی۔ اسی سویرے تین بجے مجھ سے باتیں ہوتی تھیں۔ چاروں اور سناٹا تھا۔ کمرا چھوٹا اور اندھیرا تھا۔ سب سوئے پڑے تھے۔ شبد ان کے منہ سے پھسپھساہٹ میں نکل کر کھو جاتے تھے۔ انھیں کان سے زیادہ من سے سننا پڑا تھا۔ تبھی انھوں نے اپنا دہنا ہاتھ میرے سامنے کر دیا۔ بولے : داب دو۔ ہاتھ پیلا کیا، سفید تھا اور پھولا ہوا تھا۔ میں دبانے لگا۔ وہ بولے نہیں۔ آنکھ میچے پڑے رہے۔ رات کے بارہ بجے "ہنس" کی بات ہو چکی تھی۔ اپنی خواہشیں، آرزوئیں کچھ لفظوں میں، لیکن زیادہ آنکھوں سے مجھ پر ظاہر کر رہے تھے۔ 'ہنس' کی اور ادب

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

کی چنتا انھیں تب بھی لگی ہوئی تھی۔ اپنے بچوں کا مستقبل بھی ان کے دماغ پر مسلط تھا۔ مجھ میں انھیں کچھ ڈھارس تھی۔

اب تین بجے ان کے پھولے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے میں سوچ رہا تھا: کیا مجھ پر ان کی ڈھارس ٹھیک ہے؟ رات کو بارہ بجے میں نے ان سے کچھ بحث مباحثہ کرنے کی جسارت کی تھی۔ یہ بات میرے دماغ میں کھٹک رہی تھی۔ میں کیسا کہوں، کیا کروں! اتنے میں پریم چند جی بولے: جینندر! یہ کہہ کر چپ مجھے دیکھتے رہے۔ میں نے ان کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دبایا۔ ان کو دیکھتے ہوئے کہا: آپ کچھ فکر نہ کیجیے بابو جی، آپ اب اچھے ہوئے؛ اور کام کے لیے ہم سب لوگ ہیں ہی۔

وہ مجھے دیکھتے رہے، دیکھتے رہے؛ پھر بولے: آدرش سے کام نہیں چلے گا۔

میں نے کہنا چاہا: آدرش۔ بولے: بحث نہ کرو۔ کہہ کر کروٹ لے کر آنکھیں میچ لیں۔

تھوڑی دیر میں بولے: گرمی بہت ہے، پنکھا کرو۔ میں پنکھا کرنے لگا۔ انھیں نیند نہ آتی تھی۔ تکلیف بے حد تھی، لیکن کراہتے نہ تھے، چپ چاپ آنکھیں کھولے پڑے تھے۔ دس پندرہ منٹ بعد بولے: جینندر، جاؤ، سوؤ۔ کیا پتا

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

تھا، اب گنتی کی گھڑیاں باقی ہیں۔ میں جا سویا۔
اور سویرا ہوتے ہوتے ایسی بیہوشی انھیں آئی کہ پھر
اس سے بیدار نہ ہوئے۔

۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء صبح ساڑھے سات بجے کے قریب پریم چند نے اس دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ ان کی موت قبل از وقت ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چھپن سال کی تھی۔ مالی مشکلات اور علالت، تفکرات اور ایسی زندگی کے خلاف مسلسل جنگ نے جو انسان کو ذلیل کرتی اور انسانی عظمت میں یقین کو ڈگمگا دیتی ہے، انھیں بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ انھوں نے ایک بہتر زندگی اور بہتر آزاد ہندستان کے لیے جنگ کرتے ہوئے جان دی۔ وفات کے وقت وہ اپنی قوت کی انتہائی بلندی پر تھے۔ اس وقت وہ اپنی پُرزور اور حسین تصانیف، مہاجنی سبھیتا، اور منگل سوتر، لکھ رہے تھے۔ انھوں نے اپنے طاقتور ہاتھوں میں پرچم ہمیشہ اونچا رکھا، کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اسے نیچا نہیں ہونے دیا۔ وہ ہمہ وقت ایک سپاہی تھے، اور انھوں نے وردی پہنے، ہتھیار سجے، میدانِ جنگ میں لڑتے جان دی۔ انھوں نے اپنے پیچھے قابلِ فخر ورثہ چھوڑا ہے، جس کی ان کے وارث حفاظت کریں گے اور اسے سینے سے لگائے رکھیں گے۔ اس قابلِ فخر ورثے کے ہم سب وارث ہیں۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند جب منظر پر نمودار ہوئے ہیں، تو یہ ہندی افسانوی ادب کا بچپن تھا۔ اس وقت جو کہانیاں لکھی جا رہی تھیں، ان میں اکثر و بیشتر مافوقِ فطرت اور کراماتی قسم کے واقعات کا غلبہ ہوتا تھا، جیسے "چندر کانتا سنتی" اور "بھوت ناتھ" ہیں۔ اس دستر خوان پر ایک نئی قسم کے کھانے یعنی مسٹر بلیک کے جاسوسی کارناموں کا اضافہ ہوا۔ مسٹر بلیک کی سراغ رسانی کی قابلیت حیرت ناک حد تک غیر معمولی تھی۔ سماجی ناول جیسے "پر کشا گرو" ہے، شاذ و نادر ہی نظر آتے تھے، اور ان کی بھی کوئی ادبی حیثیت نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ تاریخی پہلو سے اہم تھے۔

پریم چند کے میدان میں آنے کے بعد ہندی افسانوی ادب اپنے بلوغ کو پہنچا، اور پھلا پھولا۔ پریم چند نے ہندی ادب کو نیا سماجی شعور دیا، ایک نئی منزلِ مقصود کا احساس دلایا۔ ہندی ناول ان کے ہاتھوں پہنچ کر زندگی کے بہت قریب ہو گیا، اور اس میں قرار واقعی حقیقت نگاری نظر آنے لگی۔ پریم چند عینیت پرست تھے، اور وہ زندگی کو اپنے خوابوں کے مطابق

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ڈھال دینا چاہتے تھے۔ لیکن انھوں نے کبھی زندگی کی مکروہ اور ناخوشگوار حقیقتوں کو نظر انداز نہیں کیا؛ نہ تو کسی بات کو گھٹا کر دکھایا، نہ کسی کمزوری کو بخشا۔ پڑھنے والوں کے اندر، ان کا ادب علویت اور بلندی پیدا کرتا ہے۔ وہ صحیح معنے میں عوام کے ادیب تھے۔ اور عوام النّاس کی زندگی کو اس زبان میں پیش کرتے، جسے عوام سمجھ سکتے تھے۔ ان کی اپیل دانشور طبقے کے محدود دائرے سے بہت آگے تک پہنچتی ہے۔ ان کی تحریریں پڑھنے والوں میں ہمیں بہت کم پڑھے لکھے لوگ بھی ملتے ہیں۔ اس میں وہ ہمیں زمانۂ وسطیٰ کے شاعر تلسی داس اور کبیر وغیرہ کی یاد دلاتے ہیں۔ جن کا ایک ایک لفظ ہندستانی عوام کی زندگی میں جادو کا اثر رکھتا ہے۔

انھوں نے اعلا ادبی قدر کے حامل کوئی درجن بھر ناول لکھے:

"سیوا سدن"، "پریم آشرم"، "رنگ بھومی"، "کایا کلپ"، "وردان"، "نرملا"، "پرتگیا"، "غبن"، "کرم بھومی"، "گئودان" ان کے علاوہ انھوں نے ڈھائی سو کے قریب کہانیاں لکھیں، جن میں بعض عالمی ادب کی بہترین کہانیوں میں شمار کی جا سکتی ہیں۔ ان کے لڑکے امرت رائے نے اپنی کتاب "قلم کا سپاہی" کے ضمیمے میں ان کی ۲۲۴ کہانیوں کی فہرست دی ہے۔ اس تخلیقی کام کی محض کمیّت حیرتناک تو ہے ہی۔ لیکن کیفیت تو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض موضوعات پریم چند کے زیادہ پسندیدہ یا محبوب تھے۔ ان کا ان کی تحریروں میں بار بار اظہار ہوا ہے۔ مثلاً:

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

۱۔ عورت کا زیور اور اچھے ملبوس کا شوق ؛ یہ کیسی کیسی مصیبتوں کا موجب بن جاتا ہے۔

۲۔ کسانوں کی مصیبتوں کی بلا انگیزی کی کہانی۔

۳۔ فرقہ وارانہ کشاکش، قدامت پرستی، ضعیف الاعتقادی اور تعصب۔

۴۔ جہیز اور شادی کے قبیح رسم و رواج۔

۵۔ ہندو بیوہ کی بپتا اور مصیبت۔

۶۔ سوتیلی ماں۔

۷۔ سماجی تحریکیں اور قومی بیداری۔

۸۔ تاریخ سے دلچسپی، زمانۂ وسطےٰ اور ماضیِ قریب کی ہندستانی تاریخ۔

۹۔ مافوقِ فطرت سے دلچسپی اور اس کی ہمارے کاموں میں مداخلتِ بیجا۔

۱۰۔ وطن پرستانہ جوش اور ولولے کے موضوعات۔

۱۱۔ کبڈی اور گلی ڈنڈا جیسے کھیل۔

۱۲۔ ریاکاری اور منافقت کی پردہ دری اور اس پر پھبتیاں۔

۱۳۔ سماجی جبر اور ناانصافی کے موضوعات۔

۱۴۔ سماجی حقیقت کے اثر سے کردار میں تبدیلی ؛ اور بلندیِ کردار کی کہانیاں۔

پریم چند ہندی میں سماجی سیاسی ناول کے بانی ہیں۔ ان کے ناولوں میں سرت چندر اور ٹیگور سے زیادہ گہرا سیاسی رنگ ہے۔ پریم چند نے بنگالی افسانوی ادب پر نسوانی لہجے کا الزام لگایا ہے — جینندر نے

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند سے اپنی مندرجہ ذیل گفتگو محفوظ کی ہے :

"میں نے کہا: بنگالی ادب دل کو زیادہ چھوتا ہے۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں ؟ اور اس کا کیا سبب ہے ؟

پریم چند جی نے کہا:" متفق تو ہوں۔ وجہ یہ کہ اس میں نسوانی جذبات کی فراوانی ہے۔ میرے ہاں ان کی کمی ہے۔"

یہ سن کر میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔ اور پوچھا :" تو کیا وہ اپنی نسائیت کے باعث دل کو اتنا متاثر کرتا ہے۔

بولے :" ہاں اس سے اکثر پرانی یادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ حافظے میں جذبات سیال صورت میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس کے بالعکس خیالات اور ارادوں میں وہ متشکل ہو جاتے ہیں۔ تخلیقی فعل کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔"

بولے :" جینیندر، مجھے کچھ ٹھیک نہیں معلوم۔ میں بنگالی نہیں ہوں۔ یہ لوگ جذباتی ہیں۔ جہاں ان کی تخئیل پہنچ جاتی ہے، میں وہاں تک نہیں جا سکتا۔ میں اتنا کہاں دے سکتا ہوں! جہاں ہم علم و عقل سے نہیں پہنچ سکتے، وہاں جذبات کے وسیلے سے جا سکتے ہیں۔ لیکن، جینیندر، میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں عمل اور عزم بھی درکار ہے۔"

یہ کہتے ہوئے پریم چند کا منھ حیا سے کسی کنواری لڑکی کی مانند گلابی ہو گیا۔ بولے :" رابندر ناتھ ٹیگور اور شرت چندر چٹرجی دونوں عظیم فنکار ہیں۔ لیکن کیا ہندی کے لیے وہ نمونہ بن سکتے ہیں ؟ کم از کم

CC-0. Agamnigam Digital Preseyation Foundation, Chandigarh

میرے لیے یہ رستہ نہیں۔"

پریم چند کی طبیعت یا تخیّل میں شعریت کا جزو بہت ہی کم ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ بہار کے موسم میں کس طرح باغ و راغ جون بدل لیتے ہیں۔ الاؤ کے اردگرد بیٹھ کر اپنی اپنی بپتائیں دہرانے والے دیہاتیوں کا حسن بھی انھوں نے دیکھا تھا۔ انسانی رشتوں اور تعلقات کی خوبصورتی بھی وہ خوب سمجھتے تھے۔ لیکن ان کے لیے خیر و شر، حق و ناحق، سماجی انصاف اور آزادیِ وطن کے مسائل میں زیادہ کشش تھی۔ فطرتاً ان کے اندر نرمی و بردباری تھی، مگر ان کی تحریر بڑی تیکھی ہوتی ہے؛ اس سے انھوں نے جبر و ستم اور سماجی نابرابری کے خلاف تیر و تبر کا کام لیا ہے۔

پریم چند نے اعلیٰ درجے کی ولولہ انگیز کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کے ناول قصّے کی دلچسپی کے باعث قاری کو مسحور کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ پریم چند کے ذہن پر "طلسمِ ہوشربا" کی قسم کی کتابوں کے مطالعے نے جو اثر چھوڑا تھا، اس سے خود ان کے ادب میں بھی سنسنی اور ڈرامائیت کے عناصر پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی لیے اس دنیا میں ہر وقت کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ موتیں ہیں۔ خودکشیاں ہیں اور مافوقِ فطرت واقعات ہیں۔ "رنگ بھومی" میں صوفی باغیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اور وہ اسے قید میں رکھتے ہیں۔ گولی بندوق کے معرکے ہوتے ہیں۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ اور بالآخر ٹرین میں صوفی اور ونے کا کراماتی طریقے پر ملاپ ہو جاتا ہے۔ "کایا کلپ" میں رائیڈر ہیگرڈ کی "شی" کی طرح ایک

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

رانی ہمیشہ جوان اور حسین رہتی ہے۔

وہ مزاحیہ قلمی تصویریں بنانے میں بھی ماہر ہیں۔ اور اس میں وہ گاڑھے رنگ استعمال کرتے ہیں۔ ان کی انپی قدرتِ بیان انھیں اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے۔ جس سے وہ ہر طرح کے ضبط اور حزم واحتیاط کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً "کایا کلپ" میں جب منورما منشی وجر دھر کے گھر ملنے جاتی ہے، تو عجیب وغریب واقعات رونما ہوتے ہیں۔ منشی وجر دھر اتنے جوش میں آجاتے ہیں کہ وہ ٹھوکر کھا کر گر جاتے ہیں، جس سے روشنی گُل ہو جاتی ہے اور گھر میں گھُپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔

آج کل کے ناولوں میں واقعات کی رفتار بالعموم سست رہتی ہے اور بات آگے نہیں بڑھتی۔ ایک آدمی کھانا کھاتا ہے، ٹہلنے کو نکل جاتا ہے، ٹریفک کے سیلاب کو دیکھتا ہے اور سوچنے لگتا ہے۔ ہندستانی سماج ابھی تک بہت سی باتوں میں پچھڑا ہوا ہے۔ یہاں واقعات کی رفتار تیز اور ڈرامائی ہے۔ دوسرے ترقی یافتہ سماجوں میں حالت ایسی نہیں ہے۔ جہاں سگار کے دھوئیں کی خوشبو یا شراب کے پیالے کی مہک ہی انتہائی ہیجان آفرین ثابت ہوتی ہے۔

پریم چند کی ادیبانہ عظمت کا راز ان کی تخیلی قوت میں پنہاں ہے۔ ان کے ہاں زندگی کی تخلیق وسیع پیمانے پر ملتی ہے۔ اور انھوں نے اپنی پیدا کردہ دنیا کو ہر طرح کے انسانوں سے آباد کیا۔ پریم چند کی دنیا میں سینکڑوں، ہزاروں آدمی ہیں، کسان، زمیندار، مہاجن، فیکٹری مالک، مہم جو اور قسمت آزما،

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

انصاف اور صداقت کے لیے لڑ مرنے والے، اور شرافت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیرو، اچھے آدمی، برے آدمی، نرم و نازک لڑکیاں، چڑچڑی بوڑھیاں ۔ غرض ہر طرح کے لوگوں کی ایک فوج کی فوج ہے۔ ہم ان کی کثیر تعداد سے ملتے ہیں۔ جن میں سے بعض ہماری ادبی تاریخ کے ممتاز کردار ہیں۔ جیسے 'سمن' پریم شنکر، سور داس، سمر کانت، ہوری، صوفی اور ونے وغیرہ ۔ یہ کردار ہمارے ذاتی دوست بن گئے ہیں۔ اور ہمارے لیے کئی زندہ انسانوں سے زیادہ حقیقی ہیں۔

پریم چند نے اپنی تحریروں میں ہندستان کی جو تصویر پیش کی ہے اس میں ہمیں ایسے بہت لوگ ملتے ہیں جو ناحق کے خلاف اور اس کے مداوا کے لیے نبرد آزما ہیں ۔ کسان، زمیندار اور مہاجن کے خلاف ہے؛ بیوہ، قدامت پرستی کے خلاف ہے؛ اچھوت، پجاری کے خلاف ہے ۔ اپنے انقلابی ولولے کے ذریعے سے پریم چند ہندستان کا نقشا بدل دیتے ہیں۔ یہ بہرے گونگے جانوروں کی طرح ہانکے جانے والوں کی تصویر نہیں ہے بلکہ یہاں وہ کروڑوں ہندستانی ہیں جو فتح کے میدان کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔

پریم چند نے بہت بڑی تعداد میں کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کہانیوں میں بھی ہمارے سامنے ہندستان کا وہی تصور پیش کیا گیا ہے، جو ان کے ناولوں کی خصوصیت ہے۔ ان میں ہمارے سماج کی سچی تصویر نظر آتی ہے۔ یہاں شریف مرد اور عورتیں اپنے اپنے دائرہ عمل میں عالی

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

حوصلگی کے ساتھ مصروفِ کار رہیں۔ ان میں سے بعض اعلیٰ پایے کی کہانیاں ہیں، جیسے "بڑے گھر کی بیٹی" (جو خود پریم چند کو بھی بہت محبوب تھی) 'پنچ پرمیشور' 'ایشوری نیائے' "نمک کا داروغہ"۔ ان میں نہایت اہم اور مثالی کردار ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جیسے 'بوڑھی کاکی'، 'کزاکی'۔ 'آتمارام'، یا مثلاً عیدگاہ کی بوڑھی دادی اماں ہے۔ ان میں سے بعض کہانیوں کا پسِ منظر تاریخی ہے۔ جیسے 'کشما'۔ 'رانی سارندھا'۔ 'راجہ ہردول' ہیں۔ ان کہانیوں میں زندگی اور اس کے شدید ابتلاء آلام کے خاکے بکھرے پڑے ہیں۔ مثلاً 'پوس کی رات'۔ 'سوا سیر گیہوں'۔ 'ٹھاکر کا کنواں'، 'مکتی دھن'، 'سدگتی'، میں پھر وطن پرستانہ جوش و جذبہ کے موضوع پر بھی کچھ کہانیاں ملتی ہیں۔ جیسے 'سمر یاترا' ہے؛ اور طنز کے نمونے بھی ملتے ہیں جیسے 'موٹے رام شاستری' ہیں۔ غرض یہاں پورے ہندستان کی زندگی کا رنگین اور المناک کارواں ہمارے سامنے موجود ہے، جسے انھوں نے پوری صفائی، قوت اور جذبے کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ان کہانیوں میں ہم خاندانوں میں پھوٹ پڑتی اور بٹوارہ ہوتے دیکھتے ہیں، ایک چھوٹا بچہ اپنی دادی کے لیے اداس ہو رہا ہے؛ ایک گھر جنوائی کی اس کے سسرال میں ذلت ہو رہی ہے؛ گلی ڈنڈے کا کھیل ہو رہا ہے؛ گانو کی ایک شریف لڑکی دکھائی دیتی ہے؛ پھر ایک منہ زور بڑھیا سامنے آتی ہے، جس کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہے کہ وہ دوسروں پر تہمتیں لگاتی رہے۔ ہیرا اور موتی نامی دو بیلوں کا بھی قصہ ہے۔ بعض

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

دوسری کہانیوں میں انتہائی ضعیف الاعتقادی اور اندھے مذہبی معتقدات کا تذکرہ ملتا ہے۔ بعض جگہ اس دور کی تصویریں ہیں اب ختم ہو رہا ہے، مثلاً "شطرنج کے کھلاڑی" نام کی کہانی ہے۔ غرض ان کہانیوں میں ہمیں ہندستان کی اپنے پچھڑے پن اور ان خرابیوں کے خلاف اصلاح کی خواہش کے باوجود اس کے دل اور روح کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔

اپنی کئی کہانیوں میں پریم چند نے قلبِ انسانی کے اضطراب یعنی نفسانیت اور شریف النفسی کی کشمکش پر گفتگو کی ہے، جس میں بالآخر شرافتِ نفس ہی منظفر و کامران ہوتی ہے۔ وہ بلاشبہ حقیقت کے سچّے اور ماہر نقّاش ہیں؛ بہرحال ان کا آدرش وادز زندگی کو راہِ راست دکھانے کی کوشش ہے۔ یہی سبب ہے کہ انھیں اپنی کہانیوں میں سے 'بڑے گھر کی بیٹی' سب سے زیادہ عزیز تھی۔

لاہور کے ایک ماہنامے کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ کہانیاں کیسے لکھتے ہیں، انھوں نے جواب دیا تھا:

"میرے قصّے کسی نہ کسی مشاہدے یا تجربے پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں میں ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر محض واقعے کے اظہار کے لیے میں کہانیاں نہیں لکھتا۔ میں اس میں کسی فلسفیانہ یا جذباتی حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جب تک اس قسم کی کوئی بنیاد نہیں ملتی، میرا قلم ہی نہیں اٹھتا۔"

ونود شنکر ویاس کی کہانیوں کے مجموعے "مادھوکری" کے بارے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

میں لکھتے ہوئے پریم چند نے ادب کے مقصد کے بارے میں لکھا ہے:

"میری رائے میں، بلکہ ہر ایک کی رائے میں، ادب کے مقاصد تین ہیں۔ متمول کرنا، تفریح بہم پہنچانا اور مصوری کرنا۔ مگر متمول کر دینے میں مصوری اور تفریح کا مفہوم بھی شامل ہے۔ ایک قلم کار کی تفریح کسی مسخرے یا احمق کی تفریح سے مختلف ہوتی ہے۔ اس میں تمول کا مفہوم شامل ہوتا ہے، اور اس کے اظہار میں برگزیدگی پیدا کرنے کا مقصد بھی سامنے رہتا ہے۔"

ونود شنکر ویاس ہی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں چاہتا ہوں کہ کہانی کا پلاٹ عام زندگی سے لیا جائے۔ اور وہ زندگی کے مسائل کا حل بھی پیش کرے۔ مجھے یہ قبول نہیں کہ کہانی شاعری کا مقصد پورا کرے۔ ہر چند کہ شعرِ منثور کہانی کی بہ نسبت زیادہ دل کے تاروں کو چھیڑ دیتا ہے؛ اس لیے کہ وہ لکھا ہی اس غرض سے جاتا ہے۔ لیکن اس کی ضرب موسیقی کی صدا کی طرح ہوتی ہے جو ذرا کی ذرا سامعہ نوازی کر کے ہوا ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف کہانی آپ کے سامنے کرداروں کو کام کرتے ہوئے پیش کرتی ہے۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند کے ادب کی قوت کا راز اس کے زندگی کے عین مطابق ہونے میں، ہندستان کی سچی تصویر پیش کرنے میں ہے۔ اس ہندستان کی تصویر جو شہروں اور دیہات میں، کھیتوں اور چراگاہوں میں، بڑی شاہراہوں اور گلیوں میں، ننھی منی پگڈنڈیوں اور کچے رستوں میں، کیاریوں اور شکستہ جھونپڑیوں میں نظر آتا ہے۔ پریم چند اس زندگی کو اپنے قلم کی قوت سے بالکل بدل دینا چاہتے تھے، اور وہ اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ ان کے پڑھنے والوں کے دل و دماغ ان کی تحریروں سے متاثر ہوئے ہیں۔

پریم چند ایسے انقلابی مفکر تھے، جو ظلم اور ناانصافی پر اس کی ہر شکل اور صورت میں کاری ضربیں لگاتے رہے۔ وہ سرکاری نوکری میں ہوتے ہوئے بھی بدیشی حکومت کی ذلت کے خلاف دلیری اور بے خوفی سے حملے کرتے رہے۔ وہ کسان اور مزدور کے زبردست حمایتی تھے، وہ بچاری کے مقابلے میں اچھوتوں کے اور سماجی ظالموں کے مقابلے میں مظلوم عورتوں کے طرفدار تھے۔ الحاصل انھیں جبر و استبداد کی ہر شکل اور ہیئت سے نفرت تھی۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

وہ ایک روشن دماغ عقلیت پرست تھے۔ قدامت پرستی، ضعیف الاعتقادی اور اندھے عقیدوں کے مخالف تھے۔ وہ ایسے بت شکن تھے، جن سے دقیانوسی روایات کے مقلّد اور کٹر پنتھی ناراض ہی نہیں، متنفّر تھے۔ ان لوگوں نے ان پر متواتر حملے کئے، لیکن پریم چند نے بھی کاری ضربیں لگائیں۔ پوری قوت سے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔

وہ گوکھلے کے اثر سے نکل کر زیادہ انتہا پسند گاندھی واد کی طرف آ گئے، اور مستقلاً سوشلسٹ منزل کے راستے پر چل پڑے۔ کھیت ہو یا کارخانہ، وہ ہر قسم کے جبر و استحصال کے مخالف تھے۔ نگم صاحب کے نام ایک خط میں انھوں نے لکھا تھا کہ انھوں نے تقریباً بولشوازم کے اصول قبول کر لیے ہیں۔ اور یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ وہ مستقبل کی اس پارٹی کے رکن ہیں، جس کا مقصد کچلے ہوئے عوام کو سیاسی تعلیم دینا ہوگا۔

ایک دن وہ شورانی دیوی سے سوراج کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ شورانی دیوی نے ان سے پوچھا: "کیا سوراج قائم ہو جانے کے بعد غریب جنتا کا استحصال ختم ہو جائے گا۔؟"

انھوں نے جواب میں کہا: "استحصال تو کسی نہ کسی صورت میں ہر جگہ ہے۔ شاید زندگی کا طریقہ ہی یہ ہے کہ زبردست غریبوں پر جبر و ظلم کرتا رہے۔ ہاں، روس ہے، جہاں بڑوں کو گھٹا کر چھوٹوں کے برابر کر دیا گیا ہے، اور اب غریب بھی وہاں خوش و خرم ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم بھی کبھی اپنے یہاں روس کے سے حالات پیدا کر سکیں۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بنارسی داس چترویدی کے نام ایک خط میں پریم چند نے اپنی آرزوئیں اور تمنائیں ظاہر کی ہیں۔ لکھتے ہیں:

"میری تمنائیں بہت محدود ہیں۔ اس وقت تو سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ ہم اپنی جنگِ آزادی میں کامیاب ہوں۔ میں دولت اور شہرت کا خواہشمند نہیں ہوں۔ کھانے کو مل جاتا ہے۔ موٹر اور بنگلے کی مجھ کو ہوس نہیں۔ ہاں، یہ ضرور چاہتا ہوں کہ دو چار بلند پایہ کتابیں لکھوں، لیکن ان کا مقصد بھی حصولِ آزادی ہی ہے۔ میں آرام سے بیٹھنا نہیں چاہتا ہوں۔ ادب اور آزادیِ وطن کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا ہوں۔"

اندر ناتھ مدان کے نام ایک خط میں پریم چند نے اپنا اساسی عقیدہ یوں بیان کیا ہے کہ وہ اب عالم میں کسی فیض رساں نظام پر مزید اعتبار نہیں کر سکتے۔ لکھتے ہیں:

"پہلے میرا ایک بالا و برتر قوت پر اعتقاد تھا۔ یہ کسی غور و فکر پر مبنی نتیجہ نہیں تھا، بس ایک روایتی یقین تھا۔ وہ یقین اب پارہ پارہ ہو گیا ہے۔ بیشک کائنات کی پشت پر کوئی بڑی طاقت کام کر رہی ہے۔ مگر میں یہ نہیں مان سکتا کہ اس طاقت کو انسانی معاملات میں بھی کوئی دخل ہے، بالکل اسی طرح جیسے اسے چیونٹیوں اور مکھیوں، مچھروں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

ایک بار انھوں نے جینندر کو لکھا تھا:

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

"عقل کی باتیں پڑھتے اور سنتے گزر گئی۔ ایشور پر یقین نہیں آتا، عقیدت کیا چیز ہے! تم خدا پرستی کی طرف مائل ہو؛ مائل ہی نہیں، پکے بھگت بن رہے ہو۔ میں تشکیک کے باعث دہریہ بنتا جارہا ہوں۔"

ایک کہانی میں وہ ایک کردار کے منہ سے کہلواتے ہیں:

"خدا سے زیادہ بے رحم اس دنیا میں کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ خدا اگر اپنے بنائے ہوئے کھلونوں کو ان کی فروگذاشتوں کی سزا میں جہنم کی آگ میں جھونک سکتا ہے، تو ہم اسے رحیم نہیں کہہ سکتے۔ خدا رحیم سے ہزار گنا زیادہ بے رحم ہے۔ میں ایسے خدا کے تصور سے نفرت کرتا ہوں۔"

یہ تھے زندگی اور کائنات کے متعلق پریم چند کے بنیادی خیالات انھیں تصورات سے ان کے فن کی زمین تیار ہوتی ہے۔ اور انھیں مضبوط بنیادوں پر ان کے تخلیقی کام کی شاندار عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ ان کے کام کی پشت پر ان کے خیالات ہی قوتِ متحرکہ اور الہام ثابت ہوئے۔ اس اعتبار سے ہم ان کا موازنہ گورکی سے کر سکتے ہیں۔ گورکی کی طرح پریم چند بھی عوام کے ادیب تھے۔ ان کی طاقت بھی اس حقیقت میں پنہاں تھی کہ وہ اپنے ادب کے مضبوط ہتھیار سے عوام کی زندگی کی کایا پلٹ دینا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ادب میں نسوانی نرمی اور نازکی اور نغمگی کی جگہ مردانہ قوت اور مضبوطی کا عنصر زیادہ ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

شاذ و نادر ان کے ادب میں ماورائی قسم کے اشارے گھس آئے ہیں۔ جیسے ان کی کہانیوں "موٹھ"، "ناگ پوجا" اور "منتر" میں ہے، یا پھر "کایا کلپ" کے بعض اجزا ہیں۔ لیکن وہ ایسے تاثرات سے قصداً اجتناب کرتے رہے، اور اپنی آخری زمانے کی تحریروں سے تو وہ کٹر عقلیت پرست معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اصلاً تھے بھی پختہ ارادے کے اور عقلیت پرست آدمی! نہ لاحاصل تصورات یا توہمات انھیں گمراہ کر سکتے تھے، نہ اپنے راستے سے ہٹا سکتے تھے۔

اپنے بے شمار پڑھنے والوں تک پہنچنے کے لیے پریم چند نے ایک سادہ اور سلیس، لچکدار اور طاقتور اسلوب وضع کیا، ایسی زبان جو معمولی سی ردوبدل کے ساتھ ہندی بھی ہے اور اردو بھی۔ ان کی زبان اس ندی کی مانند رہے جو اپنے بہاؤ میں کسی رکاوٹ یا حائل چیز کی پروا نہیں کرتی۔ پریم چند کو الفاظ سے محبت تھی، اور وہ ان کا استعمال بڑی کثرت سے کرتے تھے۔ ان کے فن کے دیگر عناصر کی طرح ان کی طرزِ انشاء میں بناؤ اور سجاوٹ کے مقابلے میں زور اور قوت کہیں زیادہ ہے۔

پریم چند کی بڑی آرزو تھی کہ اردو اور ہندی کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے، اسی طرح جیسے وہ ہندستان کے دو بڑے فرقوں کے باہمی اتحاد کے متمنّی تھے۔ انھیں اسلام کے ماننے والوں میں بھی شریف لوگ ملے۔ خود ان کی زندگی کے آخری دنوں میں ان کی محبّت بھری دیکھ بھال ایک مسلمان ہی نے کی تھی۔ ان کی بہترین کہانیوں میں

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

سے ایک کشما ہے، جس میں ایک مسلم باپ اپنے بیٹے کے عیسائی قاتل کو اپنے ہم مذہبوں کے غصّہ و غضب سے بچاتا ہے۔ سیکولرزم کے عقیدے میں پریم چند ایک سچّا اور دیانتدارانہ یقین اس وقت سے تھا، جب یہ لفظ ابھی زبانِ زدِ خواص و عوام نہیں ہوا تھا۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

بحیثیت ایک ادیب کے پریم چند کا آخری وصیت نامہ ان کی وہ تحریریں ہیں، جو انھوں نے اپنی موت سے کچھ ہی پہلے لکھی تھیں، بالخصوص ان کا مضمون 'مہاجنی سبھیتا' اور ان کا غیر مکمل ناول 'منگل سوتر' ہم کہ ان کی روح کے وارث ہیں، ان کے آخری لفظوں کے اندر ایک منارۂ نور دیکھ سکتے ہیں، جس کی روشنی ہمارے ڈگمگاتے قدموں کو بیراہ نہیں ہونے دیگی۔ پریم چند کے قلم سے یہ الفاظ اس وقت نکلے تھے، جب کہ وہ بستر مرگ پر پڑے تھے۔

پریم چند نے اپنے مضمون 'مہاجنی سبھیتا' میں آجکل کی تمام خرابیوں کا سارا الزام نفع خوری کی حرص پر عائد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مگر اس مہاجنی تہذیب میں سارے کاموں کی غرض محض پیسہ ہوتی ہے۔ کسی دیش پر راج کیا جاتا ہے، تو اس لیے کہ مہاجنوں یا سرمایہ داروں کو زیادہ سے زیادہ نفع ہو۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھو، تو آج دنیا میں سرمایہ داروں کی حکومت ہے۔ انسانی معاشرہ

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

دو طبقوں میں بٹ گیا ہے۔ بڑا حصہ مرنے اور کھپنے والوں کا ہے اور چھوٹا حصہ ان لوگوں کا ہے جنھوں نے اپنی طاقت اور اثر سے بڑے طبقے کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ انھیں اس بڑے طبقے سے کسی طرح کی ہمدردی نہیں، ذرا بھی رو رعایت نہیں۔ بڑے طبقے کی ہستی صرف اس لیے ہے کہ اپنے آقاؤں کے لیے پسینہ بہائے، خون گرائے اور ایک دن چپ چاپ اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔"

ایک دور دراز ملک میں نئے تمدن کے قیام میں پریم چند کو نوعِ انسانی کے لیے کئی امیدیں پیدا ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ لکھتے ہیں:

"ایک نئی تہذیب کا سورج دور مغرب سے طلوع ہو رہا ہے، جس نے اس سرمایہ داری کی جڑ کھود کر پھینک دی ہے، جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے جسم و دماغ سے محنت کر کے کچھ پیدا کر سکتا ہے۔ حکومت اور سماج کا قابلِ احترام رکن ہو سکتا ہے اور جو صرف دوسروں کی محنت یا باپ دادا کے جوڑے ہوئے دھن پر رئیس بنا پھرتا ہے، وہ قابلِ نفرت انسان ہے۔ اسے نہ معاملاتِ حکومت میں رائے دینے کا کوئی حق ہے، نہ شہریت کے حقوق لینے کا۔ سرمایہ دار اس نئی لہر سے بوکھلایا ہوا پھر رہا ہے۔ اور ساری دنیا کے سرمایہ داروں کی مشترکہ آواز اس نئی تہذیب کو کوس رہی ہے۔"

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

پریم چند زندگی بھر مفلسی کو گلے لگائے رہے اور انھوں نے عیش و عشرت کا رستہ اختیار نہیں کیا۔ ساری عمر بھاڑے کے سپاہی بنے رہے اور ان کی تلوار تمام نامرادوں کی حمایت کے لیے وقف رہی۔ وہ ڈان کی زوٹ کی طرح عظیم الشان پون چکیوں پر یا دولت اور عیش پرستی کے قلعوں پر حملے کرتے رہے۔ یہی آدرش پرستی پریم چند کے ادب کی پشت پناہی اور اس کا تخلیقی سرچشمہ تھی۔ اپنی آخری تصنیف میں جو ناتمام رہی، انھوں نے اپنا عقیدہ پھر ایک بار بیان کر دیا ہے۔ دراصل منگل سوتر کے ہیرو پریم چند خود ہیں

"اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان کے اندر ایک عظیم روح تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ کوئی ان سے مدد مانگے اور مایوس ہو.... لیکن ادب کی خدمت کے علاوہ انھیں کسی اور کام میں دلچسپی نہیں تھی ـــ اور یہاں دھن کہاں! ہاں، انھیں شہرت ملی اور ان کی تسکینِ قلب کے لیے یہ کافی تھا۔ روپیہ جمع کرنے میں انھیں یقین نہیں تھا.... وہ عزت آبرو کی زندگی بسر کرنے کے خواہشمند تھے اور بس۔ بے شک، ان میں ایک قسم کی ادیبانہ اکڑ کا جذبہ ضرور تھا۔ آپ چاہیں تو اسے غرور اور تکبر کہہ لیجیے، یہ ان میں بھی تھی۔"

تو خود اپنے لفظوں میں یہ تھے پریم چند۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش نے یہ اپنی تصویر بنائی ہے۔ لیکن اپنی ساری سادگی اور بھولپن کے باوجود پریم چند نے ہندستان کو جیسا پایا تھا، اس سے متمول تر اور

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

زیادہ طاقتور چھوڑا ۱۸۸۰ء اعتدال پسند رہنماؤں کا زمانہ تھا، جو پلیٹ فارم پر بڑی جوشیلی اور دلیرانہ تقریریں کرنے سے زیادہ آزادیِ وطن کے لیے کسی اور بات کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ ۱۹۳۶ء ہندوستان کے لیے تاریخی سال تھا، نئی امیدوں اور نئی آرزوؤں کا سال۔ اب ہندوستان لمبے لمبے اور مضبوط قدم بڑھاتا ہوا، سماجی، سیاسی اور اقتصادی آزادی کی منزل کی طرف گامزن تھا۔ اور اس سمت میں بڑھنے کے لیے پریم چند کی تحریریں بہت مددگار ثابت ہوئیں۔

ہندوستان کی جو شکل بھی آج ہمارے سامنے ہے، اس کے بنانے میں پریم چند کے ادب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ جدید ہندوستان کی قسمت بنانے میں بہت سی دوسری قوتیں بھی سرگرم عمل رہی ہیں۔ اور ہماری زندگی جیسی کچھ وہ آج ہے، اس کی تشکیل میں پریم چند کے ادب کا بھی ہاتھ ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

مختصر کتابیات

۱۔ قلم کا سپاہی : امرت رائے

۲۔ قلم کا مزدور : مدن گوپال

۳۔ پریم چند گھر میں : شورانی پریم چند

۴۔ جیون سار "ہنس" : آتما کتھا انک

۵۔ ہنس : سمرتی انک

۶۔ پریم چند سمرتی

۷۔ چھٹی پتری (دو جلدیں)

۸۔ دودھ پرسنگ (تین جلدیں)

۹۔ پریم چند کی تصانیف

اس کتاب کے مصنف اور ناشر خاص طور پر "قلم کا سپاہی" مصنفہ امرت رائے؛ "قلم کا مزدور" مصنفہ مدن گوپال؛ اور "پریم چند گھر میں" مصنفہ شورانی دیوی کے زیر بار احسان ہیں کہ ان کی تصانیف سے ان کو پریم چند کی زندگی اور کام کے بارے میں قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

CC-0. Agamnigam Digital Presevation Foundation, Chandigarh

ساھتیہ اکادیمی قومی اہمیت کا اِدارہ ہے۔ جس کی بُنیاد بھارت سرکار نے سنہ ۱۹۵۴ء میں رکھی تھی۔ یہ ایک خود مختار ادارہ ہے۔ جس کی پالیسیاں اکادیمی کی جنرل کونسل کے ذریعہ طے کی جاتی ہیں۔ جنرل کونسل میں بہت سی ہندوستانی زبانوں، پردیشوں اور یونیورسٹیوں کے نُمائندے ہوتے ھیں اکادیمی کے پہلے چیئرمین تھے شری جواہر لعل نہرو اور موجودہ چیئرمین ھیں ڈاکٹر سُونیتی کمار چٹرجی۔

ساھتیہ اکادیمی کا اہم مقصد ہے ہندُوستانی زبانوں کی ادبی ہل چل میں تال میل اور ترقی کرنا، اور ترجموں کے ذریعہ کئی ہندُوستانی زبانوں میں پائے جانے والے عُمدہ ادب کو سارے ملک کے پڑھنے والوں تک پہنچانا۔ اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ساھتیہ اکادیمی نے ایک لمبی چوڑی پبلیکیشن [illegible] لی ہے۔ اس اسکیم کے تحت جو کتابیں چھاپی جا چکی ہیں اِ[illegible] اکادیمی کے سیل سیکشن سے منگائی جا سکتی ہے۔

5781